غیر اسلامی تہواروں کے ہوش ربا پس منظر اور نتائج پر لکھے گئے کالموں کا مجموعہ

تہوار و تہذیب

محمد طفیل

فاضل دار العلوم کراچی ، استاد معہد الایمان کوہاٹ

زیر اہتمام

ندوۃ التحقیق الاسلامی

کوہاٹ

مکتبہ اسلامیہ

کمال پلازہ کوہاٹ

غیر اسلامی تہواروں کے ہوش ربا پس منظر اور نتائج پر لکھے گئے کالموں کا مجموعہ

تہوار وتہذیب

از قلم

محمد طفیل

فاضل دار العلوم کراچی

استاد معہد الایمان کوہاٹ

زیر اہتمام

ندوۃ التحقیق الاسلامی

کوہاٹ

ناشر

مکتبہ اسلامیہ کمال پلازہ کوہاٹ

0332-8829000 , 0333-9629487

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

نام کتاب.....تہوار و تہذیب

مؤلف.....محمد طفیل

اشاعت اول.....جنوری ۲۰۱۴ء

تعداد.....۱۱۰۰

زیر انتظام.....حارث عبیدی، وقاص آفریدی

ناشر.....مکتبہ اسلامیہ

ملنے کے پتے:

۱۔ معہد الایمان محمودیہ ٹاؤن یونیورسٹی روڈ کوہاٹ

۲۔ مکتبہ اسلامیہ کمال پلازہ کوہاٹ

۳۔ مکتبہ العلم کراچی

۴۔ جامعہ الحبیب فیصل آباد

۵۔ مکتبہ عمر فاروق کراچی

۶۔ مکتبہ رحمانیہ لاہور

۷۔ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۸۔ مکتبہ الحسن ۳۳۔ حق سٹریٹ اردو بازار، لاہور

﴿فہرست مضامین﴾

عنوانات	صفحہ
باب اول: تہوار و تہذیب.....تعارف و تجزیہ.....	۱۸
فصل اول: تہوار و تہذیب...مفہوم و اثرات.....	۱۸
تہوار و تہذیب...مفہوم، ارتقاء، رشتہ.....	۱۸
تہذیبی ارتقاء.....	۱۸
تہذیب پر تہواروں کے اثرات.....	۱۹
مذہبی اثر	۲۰
ثقافتی اثر.....	۲۰
معاشی اثر.....	۲۰
معاشرتی اثر.....	۲۱
اخلاقی اثر.....	۲۱
اسلامی تہذیب کی خصوصیات.....	۲۲
فصل دوم: اسلامی تہوار.....فلسفہ، اثرات، امتیازات.....	۲۶
اسلامی تہوار.....	۲۶
اسلامی تہواروں کا فلسفہ.....	۲۷
اسلامی معاشرے پر تہواروں کے اثرات اور ان کے امتیازات.....	۲۸
فصل سوم: اغیار کے تہواروں میں شرکت کا شرعی جائزہ.....	۳۳
تشبہ کی حقیقت.....	۳۵
اقوام اور ملتوں کا اختلاف.....	۳۵

عنوانات	صفحہ
تشبہ کی تعریفات	۳۶
منع تشبہ کا منشا	۳۷
اغیار کے ساتھ مشابہت کی حدود	۳۷
تشبہ بالکفار کی ممانعت کی وجہ	۳۹
منع تشبہ پر قرآنی دلائل	۳۹
منع تشبہ پر حدیثی دلائل	۴۱
تشبہ بالاغیار کے مفاسد اور نتائج	۴۲
ترقی کا راز	۴۴
تشبہ کے مفاسد پر حضرت عمر فاروقؓ کا تنبہ	۴۷
مسلمانوں کے نام فاروق اعظمؓ کا فرمان	۴۸
کافروں کے نام فاروق اعظمؓ کا فرمان	۴۸
ایک شبہ اور اس کا جواب	۵۲
اسلامی لباس کی تعریف	۵۲
غیر اسلامی تقریبات اور تہواروں میں شرکت کا حکم	۵۴
احادیث میں امتناعی احکام	۵۶
اجماع صحابہؓ سے حکم امتناع	۵۹
فصل سوم: مغربی تہذیب.....نقد وتبصرہ	۶۲
باب دوم: اغیار کے تہوار وامتیازات	۶۳
فصل اول: مختلف تہذیبوں کے تہواروں پر ایک اجمالی نظر	۶۳

عنوانات	صفحہ
فصل دوم: نیوایئر نائٹ..... بداعمالیوں کی سیاہ رات	۶۸
ناسورِ پستی کی بنیادی وجہ	۶۸
مختلف اقوام میں ''نیوایئر ڈے'' کی ابتدائی تقریبات	۶۹
نیوایئر نائٹ کا آغاز	۷۳
''نیوائیر نائٹ'' موجودہ حالت	۷۵
''نیوائیر ڈے'' کی پاکستان آمد	۷۶
پاکستان میں ''نیوائیر نائٹ'' کی موجودہ صورتحال	۷۶
دردِ دل	۷۷
فصل سوم: ویلنٹائن ڈے..... تاریخ کیا کہتی ہے؟	۷۹
ایک عجیب پیش گوئی	۷۹
ویلنٹائن ڈے کیا ہے؟	۸۰
ویلنٹائن کون تھا؟	۸۱
ویلنٹائن تحریک اور ماہ فروری	۸۵
ویلنٹائن کارڈ	۷۸
''ویلنٹائن ڈے'' کی پاکستان آمد	۸۸
پاکستان میں ویلنٹائن ڈے منانے والے طبقات	۸۹
ویلنٹائن ڈے سے مغرب کیا کچھ حاصل کر رہا ہے؟	۹۰
دردِ دل	۹۱
فصل چہارم: بسنت ایک خونی تہوار	۹۲
بسنت کی ابتداء	۹۲

عنوانات	صفحہ
پتنگ بازی کی تاریخ	۹۴
پتنگ اڑانا جائز نہیں	۹۵
پتنگ بازی کی خرابیاں	۹۶
بسنت ایک گستاخ رسول کی یادگار	۹۷
اسلامی معاشرے پر ہندو تہذیب کے اثرات کیسے پڑے؟	۹۹
اسلامی معاشرے میں بسنت کا آغاز	۱۰۰
جشن بہاراں	۱۰۲
فصل پنجم: اپریل فول ڈے ایک قبیح رسم	۱۰۶
اپریل کی آمد اور ہماری کارستانیاں	۱۰۶
اپریل فول کیا ہے؟	۱۰۷
اپریل فول کا آغاز کب ہوا؟	۱۰۸
پہلا قول:	۱۰۸
دوسرا قول:	۱۰۸
تیسرا قول:	۱۱۰
چوتھا قول:	۱۱۲
پانچواں قول:	۱۱۳
اپریل فول ڈے کی ہندوستان آمد	۱۱۴
ہولی اور اپریل فول	۱۱۵
تین گناہوں کا مجموعہ	۱۱۵
فصل ششم: میرا تھن.....تاریخ، ارتقاء، اثرات	۱۱۹

عنوانات	صفحہ
میراتھن کی کہانی	۱۱۹
میراتھن عالمی سطح پر	۱۲۱
میراتھن پاکستان میں	۱۲۲
فصل ہفتم: کرسمس ڈے اور اس کے منفی اثرات	**۱۲۴**
کرسمس ڈے کا آغاز کب ہوا؟	۱۲۴
کرسمس کا آغاز کیسے ہوا؟	۱۲۵
حضرت عیسیٰؑ کی میلاد پر جھگڑے	۱۲۶
کرسمس کارڈ	۱۲۸
کرسمس پھول	۱۲۹
کرسمس فادر	۱۲۹
کرسمس ٹری	۱۳۰
کرسمس ٹری کا آغاز کیسے ہوا؟	۱۳۱
کرسمس ٹری برطانیہ میں	۱۳۲
کرسمس ڈے کے منفی اثرات	۱۳۳
مسلمانوں پر کرسمس ڈے کے اثرات	۱۳۴
عید میلاد النبی ﷺ کرسمس ڈے کی راہوں پر	۱۳۶
عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت	۱۳۶
عید میلاد النبی کا آغاز	۱۳۸
موجد میلاد کے بارے میں اکابر امت کی رائے	۱۳۹
میلاد کا موجودہ منظر	۱۴۰

عنوانات صفحہ

میلاد میں رافضیوں کی مشابہت ۱۴۲

میلاد میں عیسائیوں کی مشابہت ۱۴۳

فصل ہشتم: عیسوی تقویم.....تاریخ پردہ اٹھاتی ہے!..... ۱۴۴

ماہ وسال کی کہانی ۱۴۴

شمسی تقویم کا آغاز ۱۴۴

شمسی تقویم...مہینوں کے نام ۱۴۵

شمسی تقویم رومی ترامیم کی زد میں ۱۴۶

دلچسپ کھیل ۱۴۷

تقویم شمسی میں عیسائیوں کی ترامیم ۱۴۷

گریگوری کیلنڈر اور اس کا تدریجی ارتقاء ۱۴۸

قمری تقویم حقیقی ہے ۱۵۰

قمری سال کا نقطہ آغاز ۱۵۱

قمری تقویم کی ترجیح کی وجوہات ۱۵۲

فصل نہم: کرکٹ ایک نشہ.....ایک طوفان ۱۵۶

کرکٹ کا نشہ ۱۵۶

کرکٹ تاریخ کے آئینے میں ۱۵۶

کرکٹ کا حقیقی پس منظر ۱۵۷

کرکٹ کے بارے بعض اقوام کی رائے ۱۵۷

ہندوستان میں کرکٹ کی آمد ۱۵۸

کرکٹ کے نقصانات ۱۵۹

عنوانات	صفحہ
کرکٹ شرعی نقطہ نظر سے	۱۶۱
فصل دہم: اسلامی تہذیب اغیار کے نشانے پر	**۱۶۵**
فحاشی کے ہتھیار	۱۶۵
لباس کا حشر	۱۶۵
اتوار کی چھٹی	۱۶۶
ہماری قومی زبان کا حشر	۱۶۶

﴿انتساب﴾

سلسلہ چشتیہ صابریہ کے اس "**سلسلة الذهب**" کے نام جس کے "**العروة الوثقی**" کو تھامنے کے بعد اہل کفر کی تہذیب وثقافت، طرز وتمدن اور مصنوعات ورسومات سے شعوری نفرت نصیب ہوئی.....اور قلب وذہن میں یہ بات درجۂ یقین میں جا کر مستحکم ہوئی کہ کفر کے ہر شعار سے نفرت اور قطع تعلق (بائیکاٹ) غیرت اسلامی اور حمیت دینی کا اولین تقاضا ہے اور اس کے بغیر ایمان کی اس سطح کا تصور ہی ناممکن ہے، جس سے تعلق مع اللہ کے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔

☆☆☆

تقریظ

عارفِ وقت، قطب الاقطاب حضرت ڈاکٹر حاجی فدا محمد صاحب مدظلہم

خلیفۂ مجاز سلطان العارفین حضرت مولانا اشرف سلیمانی صاحب رحمہ اللہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ کریم .اما بعد

اہل مغرب کی مسلط کردہ صلیبی جنگ سے زیادہ خطرناک ان کی وہ تہذیبی جنگ ہے جس کو وہ بڑی ہوشیاری سے مسلمانوں کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے کسی اخبار یا رسالے میں پڑھا تھا کہ یہودیوں کی خطرناک ترین سازشوں میں سے (۱) اقوامِ متحدہ کا قیام (۲) میڈیا (۳) کرکٹ کا فروغ شامل ہیں۔ آج جب سوچتا ہوں تو مضمون نگار کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

روس کی تحلیل کے بعد چونکہ مغرب امریکہ کی سرپرستی میں صرف مسلمانوں کو اپنا واحد مدمقابل سمجھتا ہے اس لئے مغربی تہذیب کے تہواروں کو دجالی میڈیا کے ذریعے فروغ دے کر ان کو مسلمانوں کی زندگی میں داخل کرنا چاہتا ہے اور جہاں کے مسلمان اس تہذیب کو قبول نہ کریں۔ وہاں اقوام متحدہ کی چھتری تلے جمع ہو کر پہلے اس ملک پر پابندیاں لگوانا تاکہ وہ باز آجائے اور مغرب کی غلامی قبول کرے اور اگر ایسا نہیں کرتا تو اسی اقوام متحدہ کی چھتری تلے جمع ہو کر اس ملک پر حملہ کر کے اس کو نیست و نابود کرنا ان کا پسندیدہ عمل ہے۔ یہودی دجالی میڈیا اس بات پر بھی بہت خوش ہوگا کہ وہ اسلامی معاشرے میں کسی ہندوانہ رسم مثلاً بسنت وغیرہ کو فروغ دے۔

نوجوان فاضل مولوی محمد طفیل صاحب نے امریکہ اور اہل مغرب کی مسلط کردہ اس تہذیبی جنگ کی طرف اپنی محققانہ تصنیف ''تہوار و تہذیب'' میں مسلمانوں کی توجہ مبذول کرائی ہے کیونکہ تہوار انسانوں کے اجتماع کی بنیاد بنتے ہیں۔ اجتماعیت ایک بہت بڑی قوت ہے۔ اس لئے اجتماعیت عبادت، نیکی، جائز تفریح کے لئے ہو تو خیر کو فروغ ہوگی۔ اس لئے اسلامی تہوار عبادت کی بنیاد پر ہیں۔ لیکن جب

اجتماعیت فسق و فجور، بے مقصد، لایعنی باتوں کے لئے ہوگی تو شر کو فروغ ہوگا۔ اس لئے کفر کی یہ کوشش ہے کہ اس ہتھیار کے ذریعے ہمارے معاشرے میں شر کو فروغ دیں۔

زندہ قومیں اپنی زبان، اپنے لباس اور اپنی تہذیب پر فخر کرتی ہیں۔ پھر مسلمانوں کو تو وہ زندہ اور لاثانی تہذیب ملی ہے جو انسان کو پستی کی جڑ سے نکال کر بلندی پر پہنچاتی ہے اور دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی کی ضامن ہے۔

کتاب پڑھ کر اپنی تہذیب کی بلندی و برتری اور کافرانہ تہذیب کی پستی و نحوست کھلے گی بشرطیکہ ہم اللہ کی رضا کے لئے تعصب اور مرعوبیت کی عینک اتار کر پڑھیں۔ کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں تقریباً تمام غیر اسلامی تہواروں پر بحث کی گئی ہے اور ایک کم فرصت والا آدمی ان غیر اسلامی تہواروں کی نحوست سے صرف ایک کتاب پڑھ کر آگاہ ہو سکتا ہے۔ اللہ کرے کہ کتاب کا نفع عام ہو اور امت کی ہدایت کا ذریعہ بن کر مصنف کے لئے دنیا و آخرت کی سرخروئی کا ذریعہ بنے۔ آمین ثم آمین

☆☆☆

تقریظ

حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہم

شیخ الحدیث جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

الحمدلحضرۃ الجلالۃ والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم الرسالۃ،امابعد!

دورحاضرفتنوں کادورہے، ہرطرف فتنے ہی فتنے ہیں،لبرل ازم ،سیکولرازم، ماڈرن ازم،مغربی فکروفلسفہ اورتہذیب وثقافت کی یلغار..... ہرطرف مسلمان انہی فتنوں کی آگ میں لپٹے ہوئے ہیں اور اسے روشن خیالی سمجھتے ہیں۔دورحاضر میں مسلمان تعداد کے لحاظ سے جتنے زیادہ ہیں اتناہی ان کا حال قابل رحم ہے۔

علماء ہردور میں مسلمانوں کی تہذیب وثقافت،افکارونظریات کی حفاظت کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ان ہی حق گوعلماء میں سے نوجوان فاضل حضرت مولانا محمد طفیل صاحب بھی ہیں، جنہوں نے مسلمانوں کی حالت پررحم کھاتے ہوئے اغیار کے طوروطریقے،تہذیب ورسوم کو بیان کرکے مسلمان امت کواس سے دوررہنے کی ہدایت کی ہے۔

مولانا موصوف نے اپنی یہ کتاب تقریظ کے لیے پیش کی تو عنوان ہی نے کتاب کے مطالعہ کا شائق بنادیا۔کتاب کا نام ''تہوار وتہذیب'' ہے،اگرچہ اول تا آخر نہ پڑھ سکا لیکن جہاں سے بھی پڑھی تو دادو تحسین دیئے بغیر نہ رہ سکا۔اللہ تعالیٰ موصوف کی کاوش کوقبولیت ومقبولیت سے نوازیں اورمزید علمی اورتحقیقی کام کرنے کی توفیق رفیق ہوں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمدوالہ واصحابہ اجمعین.

(مولانا)عبدالقیوم حقانی(صاحب)

☆☆☆

حرف آغاز

ابتداء ہے رب کریم کے بابرکت نام سے جس کے قبضہ قدرت میں ساری کائنات ہے۔

اس کتاب کا نام ہے ''تہوار و تہذیب''..... یہ بندہ کے بعض ان تفصیلی کالموں کا مجموعہ ہے جو مختلف اوقات میں تحریر کیے گئے۔

کتاب کے پہلے باب میں تہوار اور تہذیب کا باہمی تعلق اور رشتہ، ارتقاء، تاریخ، اسلامی تہذیب کے درخشاں خصوصیات، کفار کی تہذیبی مشابہت کا شرعی جائزہ، ان کے تہواروں کو منانے کا شرعی حکم اور مغربی تہذیب پر نقد و تبصرہ شامل ہے۔

دوسرے باب میں اغیار کی بعض رسومات اور تہواروں سے متعلق تفصیلی مقالات ہیں، ان مقالات کا اکثر حصہ درجہ سادسہ میں دوران تعلیم لکھا گیا، مادر علمی دارالعلوم کراچی کے وسیع کتب خانہ کا آرام دہ ماحول مطالعہ اور تحقیق کے لیے موزوں تھا، وہاں حاضری ہوتی اور ان رسومات پر لکھنے کی توفیق ملتی جو کفار نے بطور مشن ہمارے معاشرے کی اخلاقی اقدار کو تباہ کرنے کے لیے پھیلا دی ہیں۔ ان میں سے بعض تو اغیار کے ساتھ خاص ہیں، جیسے کرسمس..... وہ انہیں بطور ہتھیار استعمال کر رہے ہیں اور ان کے ذریعے مادر پدر آزاد تہذیب کو رواج دینے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو یہ تاثر دے رہے ہیں کہ وہ بھی اپنے تہواروں کو انہی رنگینیوں میں ڈبو دیں جب کہ مسلمان قوم اس کا بھرپور اثر بھی لے رہی ہیں، جیسا کہ ایک طبقے نے حضور اکرم ﷺ کی میلاد کرسمس کے طرز پر منانا شروع کر دی ہے۔ میلاد کی تاریخ اور کرسمس کے ساتھ اس کی مشابہت شامل کتاب ہے، انشاء اللہ اس کی تفصیلی وضاحت کرسمس ڈے سے متعلقہ مقالے میں آجائیگی، لہٰذا ضروری سمجھا گیا کہ ان رسوم کا پردہ چاک کر کے مسلمان قوم کو بتایا جائے کہ جو چیز آپ لوگوں کے سامنے اس رنگینی سے پیش کی جاتی ہے، اس کی حقیقت کیا ہے۔

بعض رسومات کو مغرب تہواروں کا نام دے کر پوری دنیا میں پھیلا رہا ہے۔ مثلاً ویلنٹائن ڈے،

نیو ائیر ڈے، نیو ائیر نائٹ اور اپریل فول ڈے وغیرہ۔ افسوس! کہ رفتہ رفتہ مسلمان قوم اس میں مبتلا ہو رہی ہے اور انہیں احساس ہی نہیں کہ یہ اغیار کے شعار ہیں۔ ان رسومات سے متعلقہ مواد میں ان کا تاریخی پس منظر واضح کیا گیا ہے، جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ ساری کی ساری رسومات کفار کی ایجاد کردہ واہیات ہیں اور ان کی بنیادیں خالص بدعات اور گناہ کے کاموں پر رکھی گئی ہیں، کسی مسلمان کے لیے ایسی رسومات اپنانا اور انہیں تہوار سمجھ کر سرانجام دینا کسی طرح درست نہیں، ان رسومات کا ایک خطرناک پہلو یہ بھی ہے کہ اہل مغرب انہیں فحاشی و عریانی اور اپنی گندی تہذیب مسلط کرنے کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔

بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جنہیں کھیل کا عنوان دیا جاتا ہے جیسے میراتھن، اس کا آغاز بھی ایک کافر فوجی کی یادگار قائم کرنے کے طور پر ہوا۔ لیکن بعد میں اس کو کھیل کا نام دیا گیا، اس کے ذریعے بھی اہل مغرب اپنی تہذیبی گندگی مشرقی معاشرے پر ڈالنے کے لیے سرگرم ہے۔ میراتھن سے متعلقہ مقالے میں جہاں اس کا تاریخی پس منظر واضح کیا گیا ہے، وہاں اس کے مضر پہلو اور معاشرے پر پڑنے والے منفی اثرات کا بھی تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ میراتھن کے ساتھ ساتھ کرکٹ کو بھی اس کتاب کا موضوع بنایا گیا ہے، ویسے تو اس وقت تمام رائج کھیلیں مغرب سے درآمد شدہ ہیں اور ان میں فحاشی و عریانی کا عنصر نمایاں ہیں، لیکن کرکٹ کی تباہ کاریاں ان سب سے بڑھ کر ہیں۔ کرکٹ ایک ایسا کھیل ہے جس کے بارے میں کسی کا صحیح ذہن بنانا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔ کتاب میں موجود مقالے کے اندر کرکٹ کے مضر اثرات اور شرعی حکم کی وضاحت کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ ہندوانہ رسم و رواج میں سب سے زہریلی رسم بسنت کا تذکرہ بھی شامل کتاب ہے۔ یہ رسم جہاں فحاشی و عریانی پھیلانے کا سبب بن رہی ہے وہاں اس کا عظیم تر جانی و مالی نقصان بھی معاشرے میں سامنے آ رہا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ مستند تاریخی شواہد کی روشنی میں اس رسم کا گستاخ رسول کی یادگار ہونا ثابت ہے جسے اپنانا ایک مسلمان کے لیے کسی طرح جائز نہیں۔

ان رسومات پر تفصیلی مقالات کے علاوہ بعض دیگر موضوعات پر بھی قلم اٹھایا گیا ہے جو مغربی تہذیب و تمدن کی علامات ہیں اور مسلمان معاشرے میں ان کا رواج مناسب نہیں۔ جیسے عیسوی تقویم،

اتوار کی چھٹی، انگریزی زبان کا تسلط، انگریزی ثقافت خصوصا آلات لہوولعب اور لباس مغرب کا رواج وغیرہ۔ یہ چیزیں بھی مغربی تہذیب مسلط کرنے کی ایک جامع کوشش ہے، ان سے متعلق زیادہ تفصیل تو نہیں لکھی گئی، ہاں! ضروری باتیں شامل کردی گئی ہیں۔

ان مقالات کی تیاری میں کئی کتابوں سے مدد لی گئی لیکن بعض کتابوں کا ساتھ کافی زیادہ رہا، جن میں سے امام ابن تیمیہؒ کی ''اقتضاء الصراط المستقیم'' کا ترجمہ، حضرت قاری طیب صاحبؒ کی لاجواب تصنیف ''اسلامی تہذیب وتمدن''، حضرت مولانا ادریس کاندہلویؒ کا سیرت مصطفیٰ ﷺ میں شامل مقالہ ''مسئلۂ تشبہ'' اور انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ معروف معاصر دینی ہفت روزہ ضرب مؤمن کی رپورٹوں سے ان کالموں میں کافی استفادہ کیا گیا تھا، جن کے حوالے کا التزام نہیں کیا گیا۔

یہ مضامین عرصہ تک بندہ کے پاس رکھے رہے، پھر چند احباب کے مشورہ سے ان کی طباعت کا ارادہ ہوا گو کہ یہ ایک ایسے ناپختہ طالبعلم کی کوشش تھی جسے علم وتحقیق کی ہوا لگی تھی نہ تحریر وابلاغ کے فن سے شناسائی تھی، لیکن جس ماحول اور وقت میں یہ ٹوٹی پھوٹی تحریریں رقم ہورہی تھیں اس وقت وطن خداداد ایک ڈکٹیٹر کے بوٹوں تلے سسک رہا تھا اور اس کی مسلط کردہ نام نہاد روشن خیالی کا طوفان زوروں پر تھا، اس پر ہر صاحب ایمان کی تشویش اور تڑپ یقینی تھی، جس کے مظاہرے اس دور میں ہوتے رہے۔ مضمون نگار بھی اس اضطراب سے گزرنے والوں میں تھا اور اسی پس منظر میں یہ سب کچھ لکھا گیا، اس لیے مضامین میں وہ جوش باوجود تراش خراش کے یقیناً باقی رہ گیا ہوگا جو اپنے اندر ایک گونہ درد لیے ہوئے ہے اور جس سے ایک موہوم سی توقع اور امید بندھتی ہے کہ شاید زبان وبیان کی باریکیوں سے بے بہرہ یہ مضامین کسی کے قلب کو جھنجھوڑ دیں اور وہ تقلید مغرب کے تباہ کن راستوں کو چھوڑ کر اپنی درخشندہ تہذیب کو اپنالے۔

پھر مضمون نگار کی خوش قسمتی کہ ان مقالات کے کچھ حصے سیدی ومولائی حضرت ڈاکٹر حاجی فدا محمد صاحب دامت فیوضہم کے حضور پیش کرنے پر ان کی نظر سے گزرے اور اس کے استصواب پر حضرت والا نے ان کی اشاعت کو ''لازمی'' فرمایا، حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہم کی حوصلہ افزائی

نے بھی ہمت بندھائی اور حضرت مولانا ڈاکٹر عبیداللہ صاحب مدظلہم (پروفیسر خیبر میڈیکل کالج پشاور) نے بھی بڑی عرق ریزی سے مسودے پر نظر ڈال کر جا بجا اصلاح فرمائی، یوں یہ مضامین آٹھ سال کے طویل وقفے کے بعد رسالہ کی شکل میں عزیز القدر مولوی محمد حارث خان سلمہٗ کے مساعی سے شائع کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اس کاوش کو اپنے دربار میں قبول ومنظور فرمائے اور اسے بندہ کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔ (آمین ثم آمین)

طالب دعا

محمد طفیل

ندوۃ التحقیق الاسلامی کوہاٹ

☆☆☆

باب اول:

تہوار وتہذیب.....تعارف وتجزیہ

فصل اول: تہوار وتہذیب.....مفہوم واثرات

فصل دوم: اسلامی تہوار.....فلسفہ، اثرات، امتیازات

فصل سوم: اغیار کی مشابہت اوران کے تہواروں میں شرکت کا شرعی جائزہ

فصل چہارم: مغربی تہذیب.....نقد وتبصرہ

فصل اول

تہوار وتہذیب.....مفہوم واثرات

تہوار وتہذیب...مفہوم، ارتقاء، رشتہ

تہوار کا لغوی معنی ''خوشی یا مذہبی تقریب کا دن'' ہے۔ (فیروز اللغات، ص:۳۹۳)

تمام مذاہب وملل میں چاہے وہ آسمانی ہوں یا غیر آسمانی کچھ ایام اجتماعی عبادت وتفریح کے لیے مقرر ہوتے ہیں، جنہیں وہ ''تہوار'' کا نام دیتے ہیں، یہ ایام اس مذہب وملت کا خاصہ شمار ہوتے ہیں اور انہیں جوش وخروش سے منانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

تہذیب کا لغوی معنی ''آراستگی اور صفائی'' آتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص:۲۹۳)

عرف عام میں کسی قوم وملت کی اقدار وروایات اور طرز بود وباش کو تہذیب سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ اقدار وروایات جس قدر شائستہ ہوں اور طرز بود وباش جتنا مفید اور پُر مصالح ہو، تہذیب اُتنی ہی شائستہ اور بالا سمجھی جاتی ہے۔

تہذیبی ارتقاء

ابتدائے آفرینش سے انسان اپنی اقدار کی شائستگی اور طرز بود وباش کی ترقی کا خواہاں رہا ہے، اس میں فطرت انسانی کی افتاد، نت نئے وسائل زندگی کی ایجاد ودریافت اور ان سب سے بڑھ کر آسمانی ہدایات وتعلیمات کا دخل رہا ہے، پہلے پہل انسان کی رہائش گھاس پھونس کے جھونپڑوں یا مچانوں میں تھی، لباس بھی اسی نوع کا تھا، خوراک بھی شکار اور جڑی بوٹیاں ہوا کرتی تھیں، پھر وحی کی تعلیمات نے انسان کے علم وعقل کو جلا بخشی، اُس نے زندگی کے نت نئے وسائل ڈھونڈے، لباس اور خوراک کی بہترین شکلیں سامنے لائیں، طرز بود وباش میں ترقی کے منازل طے کیے اور معاش وسیاست کے اصول وضع کیے، یوں انسانی تہذیب ارتقاء کے مراحل طے کرتے کرتے آج اس مرحلے پر پہنچ آئی

جس کا تصور زمانۂ ماضی کے ناممکنات میں سے تھا۔

تہذیب انسانی مختلف ادوار میں قوموں اور ملتوں کے درمیان بٹتی گئی، ہر حق کا باطل کے ساتھ ٹاکرا رہا، یوں باطل اپنے افکار، نظریات اور طرز معاش وسیاست میں جداگانہ رُخ اختیار کرتا اور ایک تہذیب جدید کی بنیاد پڑتی، اس وقت دنیا کی تمام اقوام وملل جداگانہ تہذیب کی حامل ہیں، ہر ایک کی نظر وفکر اور فلسفۂ حیات جدا ہے، بعض تہذیبیں بعض سے متاثر ہیں، یوں وہ اپنا وجود کھو رہی ہیں، جبکہ بعض مادی ترقی کی بدولت دوسری تہذیبوں کا نشان مٹانے اور اپنی تہذیب مسلط کرنے کے لیے سرگرم ہیں، جس سے تہذیبی تصادم کی فضا بن رہی ہے، اس صورتحال کے پیش نظر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ''تہذیب'' آج اپنے ارتقاء کے آخری اور انتہائی حدوں کو چھو رہی ہے۔

تہذیبِ انسانی کے ساتھ تہوار کا رشتہ آغاز سے رہا، انسان کی فطری آزادی نے اسے تفریح پسند بنایا، شریعت نے انسان کی نفسیات کا خیال رکھا اور اسے حدود وقیود کے ساتھ خوشی اور تفریح طبع کے جائز مواقع بہم پہنچائے، ان خوشی کی تقریبات نے شرعی اجازت اور حدود وقیود کے بیان کے بعد عبادت کا درجہ اختیار کر لیا اور یوں یہ مذہبی تہوار بن گئے، یہاں بھی انسانوں کے دو طبقے ہوئے، ہر مذہب وملت میں بعض لوگوں نے تہواروں کا شرعی حلیہ برقرار رکھا اور خدا پرستی پر قائم رہے، جبکہ ایک طبقہ نفسانی خواہشات، تعیش وتلذذ اور اباحت پسندانہ مزاج کے ناطے اس میں تغیر وتبدل کے لیے کوشاں رہا، یوں بعض تہوار برائے نام مذہبی رہے اور ان کی حقیقت وماہیت کا مذہب سے دور کا رشتہ بھی نہ رہا، تمدنی ترقی نے انسان کو صرف مذہبی تہواروں پر قناعت کا پابند نہ چھوڑا بلکہ ان کے ہاں غم وخوشی کے مختلف یادگاروں کو منانے کا رواج پڑ گیا، رفتہ رفتہ یہ رسوم جن کی کوئی مذہبی اصل نہ تھی تہواروں کا درجہ پا گئے اور آزاد منش طبیعتوں نے انہیں تلقی بالقبول بخشا۔

تہواروں کی یہ داستان تہذیب کا حصہ رہی، یوں ''تہوار و تہذیب'' ایک دوسرے کا اثر قبول کرتے رہے اور ایک دوسرے کے تجدد وتنوع کا مضبوط اور ٹھوس باعث بنتے رہے۔

تہذیب پر تہواروں کے اثرات

تہذیب پر تہواروں کا گہرا اثر رہا ہے، ان اثرات میں تنوع ہے اور ان کی اثر اندازی نے تہذیبوں کو

مستقل رُخ دیے ہیں، ان میں سے چند واضح اثرات پیش خدمت ہیں۔

مذہبی اثر

تہواروں کا عمومی پسِ منظر مذہبی رہا ہے، وہ لوگ جو عام حالات میں مذہب بیزار رویہ رکھتے ہیں ایسے مواقع پر اجتماعی جوش وخروش کی وجہ سے مذہب کے قریب آجاتے ہیں اور اسکے اثرات قبول کرتے ہیں، غرض ''تہذیب'' میں مذہبیانہ رنگ برقرار رہتا ہے، تہواروں کے ساتھ مذہبی اعتبار سے ایک افسوسناک واقعہ یہ پیش آیا کہ انکی حقیقی مذہبی شکل زیادہ عرصہ برقرار نہ رہ سکی، اس میں انسان کی تعیش پسندی کا بھی دخل رہا ہے اور مذہبی رہنماؤں کے محرفانہ ومداہنانہ رویہ کا بھی۔ اس لیے ہر تہذیب کے تہوار بدعات کے اُکھاڑے بن گئے، ان میں رسم ورواج نے جگہ بنا کر مذہبی لبادہ اوڑھ لیا، یوں تہواروں نے ''تہذیب'' پر منفی اثر چھوڑا، تہواروں کے واسطے سے تہذیبوں میں رسم ورواج اور بدعات واختراعات کی راہیں کھلیں، پھر مبتدعانہ واختراعانہ مزاجوں نے تہذیبوں کا تیا پانچہ کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی اور نہ ہی صلاح وتقویٰ کا جنازہ نکالنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت کیا۔

ثقافتی اثر

تہوار ''تہذیب'' کی ثقافت کا ترجمان ہوتے ہیں، تہواروں میں عموماً اجتماعی عبادات اور مجامع ہوتے ہیں، اگر ان میں حیاء اور پاکدامنی کا پاس رکھا جائے تو تہذیب پر مثبت اثر مرتب ہوتا ہے جبکہ تہواروں میں حیاء باختگی اور فحاشی وعریانی تہذیبوں کو مادر پدر آزاد بنانے میں مؤثر کردار ادا کرتی ہے، تہوار میں آرائش وآراستگی اور خورد ونوش لازمی اجزاء ہیں، اگر ان میں سادگی اور زُہد وقناعت ملحوظ ہوں تو ''تہذیبوں'' پر اس کا اثر نمایاں رہتا ہے، لیکن تہواروں میں عیش وعشرت اور اسراف وتبذیر کا مظاہرہ تہذیبوں کا خاصہ بن جاتا ہے۔ غرض اقوام وملل کی تہذیبوں کی ثقافت پر تہواروں کا نمایاں اور گہرا اثر رہا ہے اور ان کے پڑنے والے اثرات کا آج بھی انکار ممکن نہیں۔

معاشی اثر

معاش انسانی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے، ہر تہذیب کا اپنا معاشی فلسفہ رہا ہے، تہواروں میں

تعیش پسندانہ میلانات نے مغرب کے معاشی نظاموں کو تقویت دی، ملٹی نیشنل کمپنیوں کی دکان خوب چمکی اور بعض بین الاقوامی سطح کے تہواروں میں استعمال ہونے والے اشیاء کا کاروبار بامِ عروج پر پہنچا، حصول زر کے ان بہترین مواقع کا اب پہلے سے انتظار کیا جاتا ہے، اس کی منصوبہ بندی ہوتی ہے اور اسے عملی جامہ پہنانے پر معاشی ترقی کا بھوت سر چڑھ کر بولتا ہے، مہذب مذہبی تہواروں میں ''تقسیم دولت'' کا فلسفہ کارفرما رہتا ہے اور ''ارتکاز'' کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے، جیسے مسلمانوں کے عیدالفطر و عیدالاضحیٰ۔ ان دو تہواروں میں کروڑوں مسلمان اربوں کی رقم بطور صدقۂ فطر اور قربانی کا گوشت اپنے معاشرے کے غریب طبقات میں پھیلاتے ہیں، اس سے تہذیب و معاشرے پر تہواروں کے پڑنے والے معاشی اثرات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

معاشرتی اثر

تہوار معاشرت پر مختلف جہات سے اثر انداز ہوتے ہیں، معاشرت ایک مستقل باب ہے اور تہذیبوں کی حقیقت و ماہیت اور ایجاب وارتقاء میں معاشرت کی بحالی کا نمایاں کردار رہتا ہے۔

''معاشرت'' کا مختصر تعارف زندگی کے تمام شعبہ جات میں انفرادی و اجتماعی حقوق کی ادائیگی سے کیا جاسکتا ہے، چونکہ تہوار کو ''اجتماع'' اکثر لازم رہتا ہے، اس لئے ان یادگاری لمحات میں ایثار و قربانی، اتحاد و یگانت اور خلوص و محبت کے منبع تہوار تہذیبوں پر ایجابی معاشرت کے پختہ نقوش ثبت کرتے ہیں جبکہ حیاء باختگی، فحاشی و عریانی، دھوکہ دہی و فریب کاری اور ایذا رسانی و تکلیف دہی پر مشتمل تقریبات و تہوار ''معاشرت'' پر گہرا منفی اثر چھوڑتے ہیں اور یوں تہوار بدترین معاشرت کی مثالیں بن جاتی ہیں۔ غرض تہذیبوں کی معاشرت تہواروں سے متاثر رہتی ہے اور ان کا مثبت و منفی اثر بہر حال اپنا رنگ دکھاتا رہتا ہے۔

اخلاقی اثر

اخلاقیات کے ذریعے تہذیبوں کی ترجمانی ہوتی ہے، بلند اخلاق و کردار فرد اور تہذیب کی شائستگی کی علامت ہوا کرتے ہیں، جن تہواروں میں پاکیزگی و تقدس، دیانت و امانت، برداشت و رواداری اور تسلیم و رضا کا درس ہوتا ہے تو وہاں یہ چیزیں تہذیب کا خاصہ بن جاتی ہے اور تہذیبوں کی بھرپور اڑان

میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے، لیکن جن تہواروں میں نفسیانیت، شہوت، غضب اور نفاقی فتنوں کا غلبہ رہتا ہے، وہاں تہذیب کی اخلاقی دیواریں بھی منہدم ہو جاتی ہیں اور یہ حقیقت مخفی نہیں کہ تہذیبوں کی بقاء و ارتقاء میں بلند اخلاق کا واضح دخل ہے، جس معاشرے اور تہذیب کی اخلاقی بنیادیں متزلزل ہوں وہ کبھی اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی، اگر وہ مادیت کے بل بوتے کچھ عرصہ رہ سہ بھی لے تو انجام کار اسے دھڑام سے گرنا اور اپنا وجود کھونا ہوتا ہے، لہٰذا تہواروں میں اخلاقی اقدار کو بلند رکھنا اس لئے ضروری ٹھہرا کہ تہذیبوں کی حقیقی بقاء اسی سے وابستہ ہے جب کہ اخلاقیات کی پامالی سے تہذیبوں میں اجتماعی اخلاق شکنی کے جراثیم پنپتے ہیں جو تہذیبوں کے باطن کو دیمک کی طرح چاٹ جاتے ہیں اور اس کا احساس بھی نہیں ہو پاتا۔

اسلامی تہذیب کی خصوصیات

جب دُنیا شبِ دیجور کے گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں گُم تھی، قیصر و کسریٰ کی سطوت نے ہزار ہا مربع میل پر بسنے والے انسانوں کو کھلواڑ بنا رکھا تھا، سرزمین عرب جہالت و ظلم کا گہوارہ تھی، چہار دانگ عالم شرک و توہم کی جڑیں مضبوط اور خدا پرستی و یقین محکم کی دیواریں منہدم تھیں، ظلم و جور کا دور دورہ تھا، قتل و غارتگری کا بازار گرم تھا، معیشت پر سود در سود کی متعفن تہیں جمی ہوئی تھیں، خدا کی بستی میں ''انسانیت'' کہیں دور صحرا میں بیٹھ کر آنسو بہا رہی تھی اور اس کی سسکتی تصویر کسی ''نجات دہندہ'' کی تلاش میں تھی، تب بارگاہِ ربِّ لم یزل سے اس کی ڈوبتی نبضوں کے علاج اور کفر و باطل کے استیصال کے لیے ''آخری نبی'' کو بھیجنے کا وقت آپہنچا، عرب کے اُفق سے اسلام نے طلوع ہونا ہی تھا کہ دنیا کی تمام اندھیری تہذیبیں چند سال کے عرصے میں موت کے کنارے پہنچ گئیں، صرف تیرہ سال کی افراد سازی نے ''انسانیت کی ڈوبتی کشتی'' کو خود اس کے سواروں سے وہ ناخدا بخشے جنہوں نے ''انسانیت'' کو نہ صرف ہلاکت کے بھنور سے نکالا بلکہ اوج ثریا پر پہنچا کر دم لیا اور سرزمین عرب اور اس کے باسیوں کی وہ تصویر اُبھری جسے اقبال نے یوں بیان کیا۔

؎ تمدن آفریں، خلاقِ آئین جہاں داری
وہ صحرائے عرب یعنی شتر بانوں کا گہوارہ

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے

جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا

انسانی معاشرہ صرف چند دہائیوں میں امن و آشتی، زہد و قناعت، تواضع و سادگی، عدل و انصاف، ایثار و قربانی اور خدا پرستی کا مثالی نمونہ بن گیا، اس نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے وہ گہرا عکس و نقش پایا، جس نے اسے مضبوط معاشرتی، معاشی، تمدنی اور تہذیبی بنیادیں فراہم کیں، اسلام کی پاکیزہ تہذیب میں دنیا ایسی رنگی کہ قیصر و کسریٰ کے دیرینہ اثرات سالوں میں کافور ہو گئے، جہاں اسلامیوں کے مقدس قدم پڑے وہ خطہ زبان، ثقافت، تہذیب اور تمدن میں اُنہی کا خوشہ چین ہو گیا۔

غرض وحی الٰہی اور آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے ماخوذ اسلامی تہذیب صرف نصف صدی میں آدھی دنیا کو زیر نگیں کر گئی، وہ کیا خصوصیات تھیں؟ وہ کیسا امتیاز تھا؟ اور کیسی کشش تھی؟ جس نے اقوام عالم کو اپنی طرف فوج در فوج کھینچا اور اُنہیں علمی، روحانی اور مادی ترقیات کے آسمانوں پر اُڑایا اور آج تہذیبِ مغرب کے شعلوں میں جھلستی انسانیت کو نشاطِ ثانیہ کے لیے ایک بار پھر جس کی ضرورت ہے، اسلامی تہذیب کے اُنہی درخشندہ خصوصیات و امتیازات کا اجمالی خاکہ پیش نظر ہے اس آرزو و تمنا کے ساتھ.....

نہیں ہے نا اُمید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ رقمطراز ہیں:

جس طرح موسم بہار میں نباتات اور انسانوں کے مزاج موسم سے متاثر ہوتے ہیں، اسی طرح محسوس اور غیر محسوس طریقہ پر اسلامی تہذیب و تمدن کے زمانہ میں لوگوں کے طبائع اور اذہان متغیر اور اسلام سے متاثر ہونے لگے، دلوں میں گداز اور نرمی پیدا ہونے لگی، اسلام کے اُصول و حقائق دل و دماغ میں پیوست ہونے لگے، اشیاء کی قدر و قیمت کے بارے میں لوگوں کا نقطہ نظر بدلنے لگا کل تک جن چیزوں اور جن صفات کی لوگوں کی نگاہ بڑی وقعت و اہمیت تھی، اب وہ جاتی رہی اور جو چیزیں بے وقعت تھیں اب وہ وقیع بن گئیں، پرانے معیاروں کی جگہ نئے معیاروں نے لے لی، جاہلیت رجعت

پسندی اور جمود کی علامت بن گئی ،اس کے متبعین میں احساس کمتری پیدا ہو گیا اور اسلام کی طرف انتساب ،اس کے شعائر اور خصوصیات کو اختیار کرنا ایک فخر اور تعریف کی چیز بن گئی، دنیا اسلام سے آہستہ آہستہ قریب ہو رہی تھی، جس طرح کرہ ارض کے رہنے والوں کو آفتاب کے گرد گردش کا احساس نہیں ہوتا، اسی طرح ان قوموں اور ان کے افراد کو اپنے اسلامی رجحانات اور اسلام کے اندرونی اثرات کا احساس نہ تھا، اس سے نہ علم و فلسفہ خالی تھا نہ مذاہب و تمدن ،لوگوں کے ضمیر اور ان کے باطن ان اثرات کی شہادت دیتے تھے اور ان کے اصلاحی میلانات اس کی غمازی کرتے تھے، مسلمانوں کے تنزل کے بعد بھی جو اصلاحی تحریکات ان قوموں میں پیدا ہوئیں، وہ اسلامی اثرات اور اسلامی خیالات کا نتیجہ ہیں۔ (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص:۱۸۱تا۱۸۲)

اسلامی تہذیب کے اس تاثیر نے اقوام عالم کو دس عطیات بخشیں، جنہوں نے نوعِ انسانی کی رہنمائی ،صلاح وفلاح اور تعمیر وترقی میں نمایاں کردار ادا کیا اور جنہوں نے ایک زندہ و درخشندہ دنیا کی تخلیق وتشکیل کا وہ فریضہ سرانجام دیا جو زوال پذیر دنیا سے کوئی مشابہت نہیں رکھتا۔

حضرت ندویؒ ان دس عطیات (gifts) کا تذکرہ فرماتے ہیں:

۱۔صاف اور واضح عقیدۂ توحید۔

۲۔انسانی وحدت ومساوات کا تصور۔

۳۔انسانیت کے شرف اور انسان کی عزت وبلندی کا اعلان۔

۴۔عورت کی حیثیت عرفی کی بحالی اور اس کے حقوق کی بازیابی۔

۵۔نا اُمیدی وبدفالی کی تردید اور نفسیاتِ انسانی میں حوصلہ مندی اور اعتماد وافتخار کی آفرینش۔

۶۔دین ودنیا کا اجتماع اور حریف وبرسرجنگ انسانی طبقات کی وحدت۔

۷۔دین وعلم کے درمیان مقدس، دائمی رشتے کا قیام واستحکام اور ایک کی قسمت کو دوسرے کی قسمت سے وابستہ کر دینا، علم کی تکریم وتعظیم اور اسے بامقصد اور خدارسی کا ذریعہ بنانے کی سعی محمود۔

۸۔عقل سے دینی معاملات میں کام لینے اور فائدہ اُٹھانے اور انفُس وآفاق میں غور وفکر کی ترغیب۔

۹۔امتِ مسلمہ کو دنیا کی نگرانی ورہنمائی ،انفرادی واجتماعی اخلاق ورجحانات کے احتساب، دنیا میں

انصاف کے قیام اور شہادتِ حق کی ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ کرنا۔

۱۰۔ عالمگیر اعتقادی اور تہذیبی وحدت کا قیام۔

(تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات، ص: ۲۰ تا ۲۱)

ان میں سے ہر عطیہ اسلامی تہذیب کی وہ نمایاں خصوصیت اور گوہر بار امتیاز ہے جس نے اقوام عالم کی تہذیبوں کا نقشہ بدل ڈالا اور اسلامی تہذیب وتمدن کے عنوان سے ایک ایسے ضابطہ حیات کی تشکیل کی جو سراسر آسمانی ونبوی تعلیمات کی روشنی میں ڈھلا تھا، انہی مشکبار خصوصیات کی بناء پر اسلام کی جغرافیائی، نظریاتی اور اخلاقی سرحدیں روز بروز بڑھتی گئیں اور اسلامی تہذیب نے کائنات انسانی میں سادگی وتواضع، روحانیت وخدارسی، زہد وقناعت، عدل وانصاف اور علم وتدین کی بنیاد پر جہاں گیری وجہاں داری اور جہاں بانی وجہاں آرائی کا وہ کارنامہ سرانجام دیا، جس کی مثال ابتدائے آفرینش سے آج تک کوئی انسانی تہذیب پیش کرنے سے قاصر رہی۔

اسلامی تہذیب نے زندگی کے تمام شعبوں عقائد وعبادات، عمرانیات، معاشیات، سیاسیات، قضا، حرب وضرب اور اخلاق ومعاشرت کے تفصیلی احکام پیش کیے، پھر ان کو عملی طور پر اقوام عالم کے سامنے برت کر دکھایا، اسلامی تہذیب کا کوئی بھی نظام غیروں سے مستعار نہ تھا، ان کی تقویم اپنی، معاشرت اپنی، عدالتی نظام اپنا، معاشی نظام اپنا، تعلیمی نظام اپنا، تہوار اپنے، لباس اپنا، زبان اپنی.....غرض مسلمان تمام نظام ہائے زندگی میں خود کفیل تھے، ان میں سے ہر نظام اور ہر خصوصیت کی وضاحت کے لیے دفتر درکار ہیں، افسوس کہ آج اپنی سنہری تہذیب رکھنے کے باوجود مسلمان اغیار کے دست نگر ہیں، نہ اُن کا معاشی نظام باقی ہے، نہ تعلیمی اور عدالتی نظام، نہ اپنا لباس محفوظ رکھ سکے اور نہ زبان وثقافت ..... ہمارے پیش نظر صرف اسلامی تہوار اور ان کے اسلامی تہذیب پر پڑنے والے دوررس اثرات ہیں..... اور اغیار کے بعض امتیازات وتہوار.....جو آج تہذیبِ اسلامی کے اخلاقی قدروں کو پامال کرنے میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں، اقبال نے کیا خوب فرمایا:

؎ تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

فصل دوم

اسلامی تہوار.....فلسفہ، اثرات، امتیازات

اللہ تعالیٰ نے انسانی نفسیات کا خاص خیال رکھا ہے، انسان کی طبعی تفریح پسندی کے ناطے مخصوص حدود و قیود کے ساتھ اسے خوشی کے مواقع عنایت کیے گئے ہیں، ان حدود و قیود کی پاس داری ہر مسلمان پر لازمی اور ضروری ہے، اسلام میں ان خوشی کے مواقع کو ''عید'' کا نام دیا جاتا ہے، اور ان کو آداب و شرائط کے ساتھ منانا باعث ثواب اور مستحسن ہے، لیکن آداب و شرائط کی پامالی سے یہی خوشی روزِ قیامت غم واندہ کا باعث بنے گی۔

اسلامی تہوار

تہذیب اسلامی میں دو تہوار مقرر ہیں، ایک عید الفطر اور دوسرا عید الاضحیٰ، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: اِنَّ لِکُلِّ قَوْمٍ عِیْداً و ھٰذَا عِیْدُنَا. (بخاری، رقم:۳۹۳۱)

''بے شک ہر قوم کی عید ہے اور یہ (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) ہماری عید ہیں''۔

اس حدیث مبارک میں جہاں مسلمانوں کے لیے ''عید'' کی تعین کر دی گئی ہے، وہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ مسلمانوں اور دیگر اقوام کی تہواروں میں نمایاں فرق موجود ہے، اگر یہ فرق ملحوظ نہ ہوتا تو الگ طور پر عیدین کے ایام مقرر کرنے کی بجائے سابقہ اقوام و ملل کی عیدوں میں سے کسی ایک دن کو مسلمانوں کے لیے بطورِ تہوار منتخب کر لیا جاتا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ سال کے دو دنوں میں کھیل کود کرتے اور خوشی مناتے تھے، آپ ﷺ نے ان دو دنوں کے بارے میں دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہیں؟ اہل مدینہ نے عرض کیا کہ ان ایام میں ہم زمانہ جاہلیت سے کھیل کود کرتے چلے آرہے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہیں اللہ تعالیٰ ان دو دنوں کے بدلے میں ان سے اچھے دو دن عطا فرمائے ہیں، عید البقر کا دن اور عید الفطر کا دن۔ (ابوداؤد)

اس حدیث سے وضاحت کے ساتھ اسلامی تہواروں کی تعداد اور ایام متعین ہو گئے، غرض اسلامی تہذیب کے نمائندہ تہوار یہی دو ہیں اور ان کے علاوہ کوئی بھی تہوار اسلامی تہذیب کا خاصہ نہیں اور نہ ہی شریعت کی جانب سے مقرر ہے۔

اسلامی تہواروں کا فلسفہ

اسلامی تعلیمات کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عید منانا اور خوشی کا اظہار دراصل اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ بیش بہا نعمتوں کا استحضار کیا جائے اور ان پر شکر ادا کیا جائے۔

جب سورۃ مائدہ کی آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الخ نازل ہوئی تو بعض یہود نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل کی جاتی تو ہم اس کے یومِ نزول کو بطورِ عید مناتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: تمہیں معلوم نہیں کہ جس روز ہم پر یہ آیت نازل کی گئی، مسلمانوں کی دو عیدیں جمع ہو گئی تھیں، یہ آیت دس ہجری میں حجۃ الوداع کے موقع پر ''عرفہ'' کے دن یعنی نویں ذوالحجہ کو بروز جمعہ عصر کے وقت نازل ہوئی، جبکہ میدانِ عرفات میں نبی کریم ﷺ کی اونٹنی کے گرد چالیس ہزار سے زائد اتقیاء و ابرار رضی اللہ عنہم کا مجمع تھا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ کا جواب اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ وہ دن ہمارے لئے دوہری عید کا تھا، ایک عرفہ اور دوسرا جمعہ (یعنی جس طرح عرفہ اور جمعہ کے دن عبادت، قبولیت دعا اور منقبت کے ہیں اسی طرح عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں)۔

(معارف القرآن، ج:۳، ص:۳۴)

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی عید کا فلسفہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر، مناجات و دعا، ایثار و قربانی اور باہمی اتحاد و یکجہتی ہے، نہ کہ محض خوشی و طرب جو روحانیت سے خالی ہو۔

مفتی شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں: (فاروق اعظمؓ کے) اس جواب سے یہ بھی پتہ چلا کہ یہود و نصاریٰ کی طرح ہماری عیدیں، تاریخی واقعات کے تابع نہیں کہ جس تاریخ کو کوئی اہم واقعہ پیش آ گیا ہو، اس کو عید منانا شروع کر دیا جیسا کہ جاہلیت اُولیٰ کی رسم تھی۔ (معارف القرآن، ج:۳، ص:۳۴)

شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

جن ایام کو اسلام نے تہوار کے لئے مقرر فرمایا، ان کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ وابستہ نہیں جو ماضی میں ایک مرتبہ پیش آ کر ختم ہو چکا ہو، بلکہ اس کے بجائے ایسے خوشی کے واقعات کو تہوار کی بنیاد قرار دیا، جو ہر سال پیش آتے ہیں اور ان کی خوشی میں عید منائی جاتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دونوں عیدیں ایسے موقع پر مقرر فرمائی ہیں، جب مسلمان کسی عبادت کی تکمیل سے فارغ ہوتے ہیں، چنانچہ عید الفطر رمضان کے گزرنے کے بعد رکھی ہے کہ میرے بندے پورے مہینے عبادت کے اندر مشغول رہے اس کی خوشی اور انعام میں یہ عید الفطر مقرر فرمائی اور عید الاضحیٰ ایسے موقع پر مقرر فرمائی جب مسلمان ایک دوسری عظیم عبادت یعنی حج کی تکمیل کرتے ہیں، اس لئے کہ حج کا سب سے بڑا رکن وقوفِ عرفہ ۹ ذوالحجہ کو ادا کیا جاتا ہے، اس تاریخ کو پوری دنیا سے آئے ہوئے لاکھوں مسلمان میدانِ عرفات میں جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عظیم عبادت کی تکمیل کرتے ہیں، اس عبادت کی تکمیل کے اگلے دن یعنی دس ذوالحجہ کو اللہ تعالیٰ نے دوسری عید یعنی عید الاضحیٰ مقرر فرمائی۔ (اصلاحی خطبات، ج:۱۲، ص:۹۰)

اسلامی معاشرے پر تہواروں کے اثرات اور ان کے امتیازات

اسلامی معاشرے پر تہواروں کے بڑے دوررس اور دیرپا اثرات مرتب ہوئے ہیں اور انہی اثرات کی وجہ سے وہ اقوام عالم کے تہواروں سے ممتاز ہیں، ان میں سے چند ایک کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔

☆ روحانیت

اسلام نے تہواروں کو عیش و طرب کا نمونہ نہیں رکھا، جو اخلاقی قدروں کو بہالے جائے اور انسان کے روحانی تقاضوں سے متصادم ہو، بلکہ ان میں عبادت کے ایسے پرجوش مظاہر رکھے ہیں، جو روحانیت وللّٰہیت اور صدق وخلوص کے حصول کا ذریعہ بنتے ہیں، اسلامی حدود و قیود کے ساتھ منائی جانے والی عیدی پاپی طبیعتوں میں تدین وخدا پرستی کے جذبات پیدا کرتی ہیں اور انسان کے جذبۂ عمل صالح کو مہمیز بخشتی ہیں، جب تک اسلامی معاشرہ اور تہذیب اپنے طمطراق سے قائم تھی اسلامی تہوار یں اُن پر اپنا روحانی اثر ثبت کرتی رہیں اور مسلمانوں کی روحانی غذا کا سامان بنتی رہیں۔ باطنی صفائی کے ساتھ تہواروں میں ظاہری طہارت ونظافت کا درجہ بھی ''عبادت'' ہے۔ وضو، غسل، صاف ستھرا لباس،

خوشبو، مسواک اور دیگر نظافتیں انسان کے ظاہر کو نکھارتی ہیں اسلامی تہواروں میں طہارت و نظافت کے حصول کو باعث اجر و ثواب بتایا گیا ہے، جس کے حصول میں ایک طرف ظاہر کی آراستگی ہے اور دوسری طرف اس کے باطن پر پڑنے والے اثرات ہیں، کیونکہ ظاہر کی صفائی کا تزکیۂ باطن پر نمایاں اثر پڑتا ہے۔

☆اتحاد و یگانگت

اسلامی تہواروں میں اجتماع و مجامع کے مظاہر و جو بی حیثیت رکھتے ہیں، دونوں تہواروں میں نماز عید کو ''بڑے مجمع'' کے ساتھ ادا کرنا واجب رکھا گیا ہے، ایک طرف یہ اجتماعی عبادت رحمتِ الٰہی کے توجہ کا باعث بنتی ہے تو دوسری طرف اسلامی معاشرے کے تمام طبقات کو اکٹھا ہونے اور اتحاد و یگانگت کے مظاہرہ کا سنہری موقع بھی بہم پہنچاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دونوں تہواروں سے پہلے جن عبادات کی تکمیل ہوتی ہے ان میں بھی اجتماع کی شان نمایاں ہے، عیدالفطر سے قبل تراویح کی اضافی عبادت کو سنت مؤکدہ رکھا گیا ہے، اس کی ادائیگی اجتماعی ہیئت کے ساتھ ہوتی ہے اور چونکہ سال بھر میں صرف ایک مہینہ ہوتی ہے اس لئے اجتماع کا جوش و خروش اور باہمی اُلفت و یگانت ممتاز دکھائی دیتی ہے، جبکہ عیدالاضحیٰ سے قبل حج کی تکمیل ہوتی ہے، جو دنیا میں رائج تمام تہذیبوں اور ملتوں میں کسی ملت کا سب سے بڑا، منظم اور عالمگیر اجتماع ہے، دنیا بھر کے لاکھوں مسلمان بلاتفریقِ رنگ و نسل اور زبان و وطن ایک ہی معمول پر، ایک ہی مکان میں اور ایک ہی وقت پر اکٹھے ہو کر جہاں عظیم دینی عبادت کی تکمیل کرتے ہیں، وہاں نظم و ضبط، ترتیب و نسق اور اتحاد و یگانگت کی وہ مثال پیش کرتے ہیں، جس کا مظاہرہ اسلامی تہذیب کے سوا کہیں نہیں ملتا، ان مجامع کے اتحاد کا اثر اسلامی معاشرے پر انتہائی دیرپا اور مؤثر انداز میں مرتب ہوتا ہے اور اسلامی معاشرہ میں دنیا بھر کے مسلمانوں کے ساتھ بھائی چارے، یکجہتی اور محبت و مودّت کا شعور اُجاگر ہوتا ہے۔

☆ایثار و قربانی

اسلامی تہوار محض انفرادی خوشی منانے کا نام نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی انجام دہی میں ایسی

عبادتیں رکھ دی ہیں، جو ایثار و قربانی کا درس دیتی ہیں اور اسلامی معاشرہ میں اجتماعی خوشی منانے کے جذبہ کو مہمیز بخشتی ہیں، مثلاً عید الفطر کی نماز سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان چھوٹے بڑے پر صدقہ فطر واجب قرار دیا ہے، جو اسلامی معاشرہ کے ان غریب طبقات پر خرچ کیا جائے گا جن کے پاس ایسے مواقع پر خوشی کے اسباب اختیار کرنے کی وسعت و گنجائش یا تو ہوتی نہیں یا بہت محدود ہوتی ہے، تاکہ یہ طبقات احساسِ کمتری کا شکار نہ ہوں اور ان مقدس ایام میں اپنے اور اپنے بچوں کے واسطے کھانے پینے اور لباس کا مناسب بندوبست کر سکیں، اسی طرح عید الاضحیٰ میں صاحب استطاعت مسلمانوں پر جانور کی قربانی واجب قرار دی گئی، چونکہ یہ تہوار اللہ تعالیٰ کی جانب سے مہمانی ہوتی ہے، تاکہ اُس کے بندے اس خوشی میں اعلیٰ ترین غذا ''گوشت'' کا لطف اٹھائیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے معاشرے کے صاحبِ ثروت طبقات کو جانور کی ''قربانی'' پیش کرنے کا حکم دیا، یہ قربانی جہاں عمل ابراہیمی کی یادگار، حب مال کے رذیلہ کا حکیمانہ علاج، دین کے لئے مال و جان کی قربانی پیش کرنے کے جذبے کا حصول اور اللہ تعالیٰ کے دربار سے بے پایاں اجر و ثواب کمانے کا ذریعہ ہے وہاں معاشرے کے غریب طبقات کو اپنے ساتھ اس خوشی اور پر لطف غذا میں شریک کرنا ہے، اسلامی تہوار کا یہ پہلو مسلمانوں کے دلوں میں ''ایثار و قربانی'' کا لازوال جذبہ پیدا کرتا ہے اور اُنہیں یہ شعور بخشتا ہے کہ دولت و ثروت چند ہاتھوں میں سمیٹ کر رکھنے کی شے نہیں بلکہ اسلام کا مزاج معاشرے کے تمام طبقات میں اس کی مناسب ''گردش'' پر مبنی ہے، تاکہ کوئی طبقہ اس قدر ذلت و کہتری کا شکار نہ ہو کہ مایوسی کے پاتال میں پڑا رہے اور اُسے زندگی کی جائز خوشیاں بھی نصیب نہ ہوں۔

☆ ذوقِ عبادت کی فراوانی

اسلامی تہوار عبادت ہی کی تکمیل کا انعام ہیں اور خود ان تہواروں میں بھی جانی و مالی عبادات کے مختلف مظاہر رکھے گئے ہیں، جو لوگ عام حالات کے اندر ذوقِ عبادت میں کوتاہ سمجھے جاتے ہیں وہ بھی ایسے اجتماعی مواقع پر ''عبادت'' میں جوش و خروش دکھاتے ہیں اور اس کا کافی اہتمام کرتے ہیں، ان مواقع میں عبادات کا جوش و اہتمام معاشرے میں دُعا و عبادت کا ذوق پیدا کرتا ہے، یہ اسلامی تہواروں کا ہی امتیاز ہے کہ خوشی و تفریح کے یہ مواقع دینی بیداری اور مذہبی میلان کا باعث بنتے ہیں اور

معاشرے میں مذہبی و دینی رجحانات کو جلا بخشتے ہیں، ورنہ اقوام عالم کے تہواروں نے تو ان کی مذہبی تعلیمات کا جنازہ نکالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

☆سادگی و زہد قناعت

اسلامی تہواروں میں دیگر مذاہب کے تہواروں کی طرح عیش و طرب اور لہو و لعب کی ممانعت ہے، خوشی کی آڑ میں اسراف و تبذیر اور تضییع و تعیش کی ہرگز اجازت نہیں، کیونکہ ان چیزوں کا التزام و رواج آلاً خوشی کو وبال میں بدل دیتا ہے اور معاشرے کے لاچار اور غریب طبقات میں احساسِ کمتری و کہتری کا باعث بنتا ہے، اسلام نے خوشی کے ان مواقع میں سادگی و زہد و قناعت کا بنیادی اُصول برقرار رکھا ہے، نئے لباس یا عمدہ و مہنگے کھانوں کا کوئی التزام نہیں، بس صاف ستھرا لباس پہننا مسنون ہے اگرچہ پرانا ہو، اسلام کی تعلیم ہے کہ کھانے پینے میں بھی اپنی وسعت و گنجائش کو مدِ نظر رکھا جائے اور ان مادی اشیاء سے نفس کو طراوت بخشنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے استحضار اور ذکر و عبادت سے جی خوش کرنے کا اہتمام کیا جائے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استعمال اور اظہار کوئی امرِ ممنوع نہیں، مقصود یہ ہے کہ سادگی و قناعت کا جوہر ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے، ضروری راحت و آرام اور تسکین و تفریح کے سامان سے شرعی حدود میں رہ کر مستفید ہوا جائے اور اغیار کی طرح آرام و آسائش اور تفریح و تسکین کے لئے اسراف و تبذیر کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ تہواروں میں سادگی اور قناعت کے یہ مظاہر اسلامی معاشرے میں نجی اور انفرادی خوشی کے مواقع پر گہرا اثر مرتب کرتے ہیں اور یہ شعور اُجاگر کرتے ہیں کہ خوشی منانے کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ کی نعمتوں کو بے دریغ لٹایا اور ضائع کیا جائے بلکہ ان کا شکر ہی خوشی کی اصل روح ہے۔

☆غیرت و حمیت کی بڑھوتری

اسلامی تہواروں میں ایسے نشاطات کا اہتمام جو اسلامی تعلیمات سے متصادم نہ ہوں، مباح ہے، مثلاً غیرت و حمیت کا جذبہ موجزن کرنے کے لیے نظمیں اور ترانے پڑھنا، یا جہادی مظاہروں اور کھیلوں کا انعقاد کرنا۔ اس سے معاشرے میں جذبۂ حریت، قومی و ملی غیرت اور اسلامی حمیت روز

افزوں ہوتی ہے اور تفریح کا مناسب سامان بھی مہیا ہوتا ہے، ان مثبت تفریحی سرگرمیوں کا اسلامی معاشرے پر گہرا اثر مرتب ہوتا ہے اور من حیث القوم ایک نشیط، بیدار مغز اور پرحمیت نسل پروان چڑھتی ہے۔

اسلامی تہواروں کے ان اثرات ومقاصد کے پیش نظر اب قابل غور امر یہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں رواج پانے والے اغیار کے رسوم وتہوار اور ان میں نسل نو کی دلچسپی سے کیا معاشرے پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے؟ ہرگز نہیں! بلکہ مسلمانوں کے اپنے تہوار بھی ان اثرات ومقاصد کو کھو دیں گے جیسا کہ مشاہدہ ہے۔

☆☆☆

فصل سوم

اغیار کے ساتھ مشابہت اور ان کے تہواروں میں شرکت کا شرعی جائزہ

حدیث شریف میں ہے:

بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ غَرِیْبًا فَطُوْبیٰ لِلْغُرَبَاءِ. (مسلم، رقم:۲۳۲)

اسلام آغاز میں اجنبی تھا، پس عنقریب یہ پھر اجنبی ہو جائے گا، سو (اس دور میں اس پر عمل پیرا) اجنبیوں کے لیے بشارت ہو۔

اسلام شروع میں غریب الوطن یعنی بے کس، بے یار و مددگار اور بے سہارا تھا، پھر نبی اکرم ﷺ کے دس سالہ غزوات اور صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے دس سالہ سلسلۂ جہاد و فتوحات کا یہ غیبی اثر ہوا کہ دس صدیوں تک پوری روئے زمین پر اسلام ہی کو اقتدار اعلیٰ حاصل رہا اور اسلام ہی کا تمدن اور معاشرہ دنیا کے ہر تمدن اور معاشرہ پر غالب رہا۔ دنیا کی قومیں اسلامی معاشرہ اور تمدن کو اپنے لیے باعث عزت سمجھتی رہیں، خلفاء عباسیہ کے دور میں علم و حکمت کا بازار گرم ہوا، صنعت و حرفت بام عروج پر پہنچی، یورپ کے باشندے اس وقت ایک جاہل اور وحشی قوم تھے، انہوں نے مسلمانوں سے علم و حکمت سیکھا، صنعت و حرفت اور تہذیب و تمدن کا سبق لیا اور دنیاوی شاہراہ ترقی پر گامزن ہوئے، بعد ازاں جب اسلامی حکومتوں کے فرمانروا حکومت کے نشہ میں عیش پرستی کا شکار بن گئے اور ابن علقمی، میر جعفر اور میر صادق جیسے منافق ان کے وزیر ہو گئے تو اس کے نتیجے میں اسلامی حکومتیں معرض زوال میں پڑ گئیں، اسلام کے ہاتھ کی پچھاڑی ہوئی قومیں برسر اقتدار آ گئیں اور اپنی بداعمالی اور شومئی قسمت سے حاکم، محکوم .....اور محکوم، حاکم ہو گئے۔

کچھ عرصہ تک مسلمانوں کو اپنی اس ذلت اور انقلاب کی حالت کا احساس رہا، مگر رفتہ رفتہ مسلمانوں

نے ان کے معاشرہ، تمدن اور وضع قطع کو قبول کرنا شروع کر دیا۔ نوبت بایں جارسید کہ اسلامی ممالک کے باشندے غیروں کے معاشرے میں ایسے رنگے کہ مسلم اور غیر مسلم کا ظاہر نظر میں کوئی فرق نہ رہا اور حسب ارشاد نبوی **وسیعود غریباً** اسلام ابتدا کی طرح اس دور میں پھر غریب، گدائے بے نوا اور بے کس و بے یار و مددگار بن گیا، **اناللہ وانا الیہ راجعون.**

اس کی وجہ یہ نہیں کہ اسلامی معاشرہ میں کسی قسم کی کوئی خرابی یا کوتاہی ہے اور نئے معاشرہ میں کوئی خوبی، کمال یا کوئی حسن و جمال ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ نئے معاشرہ کی بساط تمام تر نفسانی شہوات و لذات، نام و نمود اور فخر و مباہات پر بچھی ہوئی ہے اور وہ قوت و شوکت کے زیر سایہ پرورش پا رہا ہے جو بالطبع نفس کو انتہائی محبوب ہے، جبکہ اسلامی معاشرہ کی بساط سادگی، تواضع، زہد و قناعت، خدا پرستی اور نفس کشی پر بچھی ہوئی ہے جس کو نفس پسند نہیں کرتا۔

حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ ایک طرف ایسے امیر مملکت تھے کہ دنیا کی سب سے بڑی دو طاقتیں قیصر و کسریٰ بھی ان سے تھراتی تھیں اور دوسری طرف شیخ طریقت اور مسجد کے امام بھی تھے جن کو دیکھ کر لوگ اپنا دین درست کرتے تھے۔

خداوند علیم و حکیم کی قضاء اور قدر نے قوم عاد، قوم ثمود، فرعون اور نمرود کی طرح مغربی اقوام کو چند روزہ اقتدار عطا کیا، جس کے آتے ہی نفسانی اور شہوانی معاشرہ کا دور دورہ شروع ہو گیا، اور چھپے ہوئے شہوت پرست نمایاں ہو گئے، ظاہر ہے کہ جس چیز کو قوت و شوکت اور حکومت و سلطنت کی سرپرستی حاصل ہو تو سادہ لوح اور عام طبیعتیں اسی میں جذب ہو جاتی ہیں، خصوصاً جس معاشرہ میں نفسانی خواہشوں کو آزادی ملتی ہو اور حکومت اور سلطنت کی سرپرستی کی وجہ سے اس کے حصول میں کوئی مانع بھی نہ رہے تو بلاشبہ ایسا معاشرہ مخلوق خدا کیلئے فتنۂ عظمیٰ ہوگا۔

افسوس صد افسوس کہ مسلمان بھی اب اسی رو میں بہے جا رہے ہیں، جو قومیں ان کے اسلاف اور بزرگوں کی پچھاڑی ہوئی اور باج گزار تھیں ان کے پیچھے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور اپنے اسلاف کے خصائل و عادات اور ان کے ملبوسات کو ترک کر کے دن بدن مغضوب علیہم اور ضالین یعنی یہود و نصاریٰ کی مماثلت اور مشابہت اختیار کرتے جاتے رہے ہیں، حیرت کا مقام ہے کہ مشرق کا نور مغرب کی

ظلمت پر کیوں فریفتہ ہو گیا؟

مسلمانوں کا تہذیب وتمدن میں کفار کی نقالی تشبہ بالکفار کہلاتی ہے، اسکے شرعی احکام سے واقفیت کے لیے مختصر طور پر مسئلہ تشبہ کی حقیقت عرض کی جاتی ہے۔

تشبہ کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے زمین سے لیکر آسمان تک خواہ حیوانات ہوں یا نباتات و جمادات سب کو ایک ہی مادہ سے پیدا کیا اور سب کو ایک ہی خوان وجود سے حصہ ملا، مگر باوجود اس کے ہر چیز کی صورت اور شکل علیحدہ بنائی تا کہ ان میں امتیاز قائم رہے اور امتیاز کا ذریعہ صرف یہی ظاہری شکل وصورت اور ظاہری رنگ و روپ ہے۔ انسان اور حیوان میں، شیر اور گدھے میں، گھاس اور زعفران میں، باورچی خانہ اور پاخانہ میں اور جیل خانہ اور شفاخانہ میں امتیاز صرف اسی ظاہری شکل وہیئت کی بنا پر ہے، اگر کسی نوع کا کوئی فرد اپنی خصوصیات اور امتیازات کو چھوڑ کر دوسری نوع کی امتیازات وخصوصیات اختیار کر لے تو اس کو پہلی نوع کا فرد نہیں کہیں گے بلکہ وہ دوسری نوع کا فرد کہلائے گا، اگر کوئی مرد مردانہ خصوصیات اور امتیازات چھوڑ کر زنانہ خصوصیات اختیار کرے، عورتوں ہی کا لباس پہننے لگے اور انہی کی طرح بولنے لگے، حتیٰ کہ اس مرد کی تمام حرکات وسکنات عورتوں ہی جیسی ہو جائیں تو وہ شخص مرد نہیں کہلائے گا، بلکہ ہیجڑا کہلائے گا، حالانکہ اس کی حقیقت مردانگی میں کوئی فرق نہیں آیا، صرف لباس اور ہیئت کی تبدیلی ہوئی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر اس مادی عالم میں ہر نوع کی خصوصیات اور امتیازات کی حفاظت نہ کی جائے اور التباس اور اختلاط کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر اس نوع کا وجود باقی نہ رہے گا۔

اقوام اور ملتوں کا اختلاف

مادی کائنات کی طرح دنیا کی قومیں اپنے معنوی خصائص اور باطنی امتیازات کے ذریعے ایک دوسرے سے ممتاز اور جدا ہیں۔ مسلمان، ہندو، عیسائی اور یہودی قوم باوجود ایک باپ کی اولاد ہونے کے مختلف قومیں بن گئیں، مذہب اور ملت کے اختلاف کے علاوہ اختلاف کی یہ وجہ بھی ہے کہ ہر قوم کا تمدن، اس کی تہذیب، اس کا معاشرہ، اس کا طرز لباس اور طریق خورد ونوش دوسرے سے جدا ہے اور

باوجود ایک خدا کے ماننے کے ہر ایک کی عبادت کی صورت اور شکل علیحدہ ہے۔ انہیں خاص خاص شکلوں اور صورتوں کی وجہ سے ایک مسلم اور موحد ایک مشرک اور بت پرست سے علیحدہ ہے اور ایک عیسائی ایک پارسی سے جدا ہے۔

غرض یہ کہ قوموں میں امتیاز کا ذریعہ سوائے ان قومی خصوصیات کے اور کیا ہے؟ جب تک ان مخصوص شکلوں اور ہیئتوں کی حفاظت نہ کی جائے تو قوموں کا امتیاز باقی نہیں رہ سکتا، لہٰذا جب تک کسی قوم کی مذہبی اور معاشرتی خصوصیات باقی ہیں اس وقت تک وہ قوم بھی باقی ہے اور جب کسی قوم نے اپنی خصوصیات اور اشکال کو چھوڑ کر دوسری قوم کی خصوصیات کو اختیار کر لیا اور اس قوم کا دوسری قوم کے ساتھ اختلاط ہو گیا تو سمجھ لیں کہ یہ قوم اب فنا ہو گئی اور صفحۂ ہستی پر اس کا کوئی ذاتی وجود باقی نہیں رہا۔

تشبہ کی تعریفات

تشبہ کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد تشبہ کی تعریف پیش خدمت ہے، تاکہ تشبہ کی قباحتوں کا اندازہ لگایا جا سکے۔

پہلی تعریف: اپنی حقیقت اور اپنی صورت چھوڑ کر دوسری قوم کی حقیقت، صورت اور وجود میں مدغم ہو جانے کا نام تشبہ ہے۔

دوسری تعریف: اپنی ہستی دوسرے کی ہستی میں فنا کر دینے کا نام تشبہ ہے۔

تیسری تعریف: اپنی ہیئت اور وضع تبدیل کر کے دوسری قوم کی وضع اور ہیئت اختیار کر لینے کا نام تشبہ ہے۔

چوتھی تعریف: اپنی شان امتیازی چھوڑ کر دوسری قوم کی شان امتیازی اختیار کر لینے کا نام تشبہ ہے۔

پانچویں تعریف: اپنی اور اپنوں کی صورت اور سیرت چھوڑ کر اغیار کی صورت اور سیرت اپنا لینے کا نام تشبہ ہے۔

اس لئے شریعت حکم دیتی ہے کہ مسلمان قوم دوسری قوموں سے ظاہری طور پر ممتاز اور جدا ہونی چاہیے، لباس میں بھی ممتاز ہونی چاہیے اور وضع قطع میں بھی، اس لئے کہ ظاہری علامت کے علاوہ خاص

جسم کے اندر بھی کسی علامت کا ہونا ضروری ہے، سو وہ ختنہ اور داڑھی ہے اور وہ ظاہری علامت لباس ہے، بغیر ان دو علامتوں کے شناخت نہیں ہوسکتی، نہ تو صرف داڑھی کافی ہے، اس لئے کہ لڑکوں کے داڑھی نہیں ہوتی، ان کی شناخت کس طرح ہوگی، نیز بعض قومیں داڑھی رکھتی ہیں، ان سے شناخت ماسوائے لباس کے کسی چیز سے نہیں ہوسکتی، معلوم ہوا کہ اسلامی امتیاز کے لئے لباس اور داڑھی دونوں کی ضرورت ہے۔

منع تشبہ کا منشا

منع تشبہ (یعنی کفار کے ساتھ مشابہت سے روکنے) کے حکم کا منشا معاذ اللہ تعصب اور تنگ نظری نہیں بلکہ غیرت اور حمیت ہے، جس سے مقصد ملت اسلامیہ اور امت مسلمہ کو غیروں کے التباس اور اشتباہ کی تباہی سے بچانا ہے، اس لئے کہ جو قوم اپنی خصوصیات اور امتیازات کی محافظ نہ ہو وہ کوئی آزاد اور مستقل قوم کہلانے کی مستحق نہیں۔

اغیار کے ساتھ مشابہت کی حدود

☆ اغیار کے ساتھ اعتقادات اور عبادات میں مشابہت کفر ہے۔

☆ مذہبی رسومات میں مشابہت حرام ہے جیسا کہ نصاریٰ کی طرح سینہ پر صلیب لٹکانا اور ہنود کی طرح زنار باندھ لینا یا پیشانی پر قشقہ لگالینا، ایسی مشابہت بلاشبہ حرام ہے اور اس میں کفر کا اندیشہ ہے۔ اس لئے کہ علی الاعلان شعائر کفر کا اختیار کرنا ان پر دل سے رضامندی کی علامت ہے۔

☆ عبادات، مذہبی رسومات اور عیدین میں کفار کی مشابہت کی ممانعت اشارات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ وکثیرہ سے ثابت ہے۔

☆ معاشرت، عادات اور قومی شعائر میں تشبہ مکروہ تحریمی ہے۔ مثلاً کسی قوم کا وہ مخصوص لباس استعمال کرنا جو خاص ان ہی کی طرف منسوب ہو اور اس کا استعمال کرنے والا اسی قوم کا ایک فرد سمجھا جانے لگے جیسے نصرانی ٹوپی (یعنی ہیٹ)، ہندوانہ دھوتی اور جوگیانہ جوتی یہ سب ناجائز اور ممنوع ہے اور تشبہ میں داخل ہے، بالخصوص جبکہ بطور تفاخر یا انگریزوں کی وضع بنانے کی نیت سے پہنی جائے تو اور

بھی زیادہ گناہ ہے۔

☆علی ہذا کافروں کی زبان اور ان کے لب ولہجہ اور طرز کلام کو اس لئے اختیار کرنا کہ ہم بھی انگریزوں کے مشابہ بن جائیں اور ان کے زمرہ میں داخل ہو جائیں تو بلاشبہ یہ ممنوع ہوگا، ہاں! اگر انگریزی زبان سیکھنے سے انگریزوں کی مشابہت مقصود نہ ہو، بلکہ محض زبان سیکھنا مقصود ہو، کہ کافروں کی غرض سے آگاہ ہو جائیں اور ان سے تجارتی اور دنیاوی امور میں خط و کتابت کر سکیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ جیسا کہ بعض صحابہ کرامؓ نے ضرورت کے تحت غیر عربی زبانیں سیکھیں۔

☆ایجادات، انتظامات، اسلحہ اور سامان جنگ میں غیر قوموں کے طریقے لے لینا جائز ہے جیسے توپ، بندوق، ہوائی جہاز، گاڑیاں، مشین گن وغیرہ، یہ درحقیقت تشبہ ہے بھی نہیں، شریعت اسلامیہ نے ایجادات کے طریقے نہیں بتلائے، ایجادات اور صنعت و حرفت کو لوگوں کی عقل، تجربہ اور ضرورت پر چھوڑ دیا، البتہ اس کے احکام بتلا دیے کہ کونسی صنعت اور حرفت جائز ہے، کس حد تک جائز ہے اور کس طریقے سے اس کا استعمال جائز ہے، اسلام میں مقاصد کی تعلیم ہے، غیر مقاصد کی تعلیم نہیں، طبیب جوتا بنانے کی ترکیب نہیں بتاتا، ہاں! یہ بتلاتا ہے کہ جوتا اس طرح مت سلوانا کہ اس کی میخیں ابھری ہوئی ہوں جس سے پیر زخمی ہو جائے، اس طرح اسلام ایجادات نہیں سکھاتا، ہاں! یہ بتلاتا ہے کہ ایجاد ایسی نہ ہو جس سے تمہارے دین میں خلل آجائے یا جان کا خطرہ ہو۔

یہ ان ایجادات کا حکم ہے جن کا متبادل مسلمانوں کے پاس نہیں اور جس ایجاد کا متبادل مسلمانوں کے یہاں بھی موجود ہو تو اس میں تشبہ مکروہ ہے جیسے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فارسی کمان کے استعمال سے منع فرمایا، کیوں کہ اس کا متبادل مسلمانوں کے پاس عربی کمان موجود تھی اور دونوں کی صفت برابر تھی، صرف ساخت کا فرق تھا، اسلام میں تعصب نہیں، غیرت ہے، پس جو چیز مسلمان کے پاس بھی ہے اور کفار کے پاس بھی، صرف وضع قطع کا فرق ہے تو ایسی صورت میں اسلام نے تشبہ بالکفار سے منع کیا کہ اس میں گناہ کے علاوہ بے غیرتی بھی ہے کہ بلاوجہ اور بلاضرورت اپنے آپ کو دوسری قوموں کا محتاج بنائیں، مگر آج کل مسلمانوں میں غیرت نہیں رہی، وہ اپنے گھر سے بے خبر ہو کر بلکہ اپنے گھر کو آگ لگا کر دوسروں کی عادت اور معاشرت کا اتباع کرنے لگے، ہاں! جن نئی ایجادات

اور جدید اسلحہ کا متبادل مسلمانوں کے پاس موجود نہیں، مسلمانوں کے لئے ان نئی ایجادات اور جدید اسلحہ کا استعمال اپنی ضرورت اور راحت کے لئے جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس کے استعمال سے نیت اور ارادہ کافروں کی مشابہت کا نہ ہو، کیوں کہ اپنے فائدہ کے لئے جدید اسلحہ اور نئی ایجادات کا استعمال شرعا جائز ہے مگر تشبہ بالکفار کے ارادہ اور نیت سے ان کے استعمال کو شریعت پسند نہیں کرتی۔

تشبہ بالکفار کی ممانعت کی وجہ

دین اسلام ایک کامل اور مکمل مذہب ہے اور تمام ملتوں اور شریعتوں کا ناسخ بن کر آیا ہے، وہ مسلمانوں کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ناقص اور منسوخ ملتوں کے ماننے والوں کی مشابہت اختیار کی جائے، اسلام جس طرح اعتقادات اور عبادات میں مستقل ہے، کسی کا تابع اور مقلد نہیں، اسی طرح اپنے معاشرہ اور عادات میں بھی مستقل ہے کسی دوسرے کا تابع اور مقلد نہیں۔ کسی حکومت میں یہ جائز نہیں کہ اس سلطنت کی فوج دشمن فوج کی وردی استعمال کر سکے یا اپنے فوجی دستہ کے ساتھ دشمن حکومت کا جھنڈا استعمال کر سکے، جو سپاہی ایسا رویہ اختیار کرے گا وہ قابل سزا سمجھا جائے گا۔

اسی طرح حزب اللہ یعنی مسلمانوں کو یہ اجازت نہ ہوگی کہ حزب الشیطان یعنی کفار کی ہیئت اختیار کریں جس سے دیکھنے والوں کو اشتباہ ہوتا ہو، یا فرض کریں کوئی جماعت حکومت سے برسر بغاوت ہو اور وہ جماعت اپنا کوئی امتیازی لباس یا نشان بنائے تو حکومت اپنے وفاداروں کو ہرگز اس باغی جماعت کے تشبہ کی اجازت نہیں دے گی۔

حیرت کا مقام ہے کہ ایک جرنیل کو تو یہ حق حاصل ہو کہ وہ اپنے دشمن فوج کی وردی کا استعمال جرم قرار دے مگر اللہ کے رسول ﷺ کو یہ حق نہ ہو کہ وہ دشمنان خدا کی وضع قطع کو جرم قرار دے، کیوں نہیں..... **من تشبہ بقوم فھو منھم.** جو خدا کے دشمنوں کے مشابہ بنے گا اور انہی جیسا لباس اور ان کی وردی پہنے گا تو بلاشبہ دشمنان خدا کی فوج سے سمجھا جائے گا۔

منع تشبہ پر قرآنی دلائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

يَاأَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْالَاتَكُوْنُوْاكَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا. (ال عمران:۱۵۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! کفر کرنے والوں کے مانند نہ ہو۔

مؤمن (خدا کے دوست) کو خدا کے دشمن (کافر) سے جدا اور ممتاز رہنا چاہیے۔ حکومت کے وفادار کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ حکومت کے دشمنوں اور باغیوں کے مشابہ اور ان کا ہم رنگ اور ہم لباس بنے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

يَاأَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْالَاتَكُوْنُوْاكَالَّذِيْنَ اٰذَوْامُوْسٰى. (الاحزاب:۶۹)

ترجمہ: اے مسلمانو! ان لوگوں کے مشابہ اور مانند نہ بنو جنہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ایذا دی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

اَلَمْ يَاْتِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْااَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِاللّٰهِ وَمَانَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَايَكُوْنُوْاكَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُفَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌمِنْهُمْ فَاسِقُوْن. (حدید:۱۶)

ترجمہ: کیا مسلمانوں کے لئے وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر اور اس کے نازل کئے ہوئے حق کے سامنے ان کے دل پست ہو جائیں اور ان لوگوں کے مشابہ اور مانند نہ بنیں کہ جن کو پہلے کتاب دی گئی (یعنی یہود اور نصاریٰ کے مشابہ نہ بنیں) جن پر زمانہ دراز گزرا، پس ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے ان میں سے فاسق ہیں۔

یعنی اندیشہ یہ ہے کہ اگر تم نے یہود و نصاریٰ کی مشابہت اختیار کی تو تمہارے دل بھی ان کی طرح سخت ہو جائیں گے اور قبول حق کی صلاحیت تم سے جاتی رہے گی۔

علامہ ابن حجر مکی ہیثمیؒ نے اپنی کتاب ''الزواجر عن اقتراف الکبائر'' میں مالک بن دینارؒ کی روایت سے ایک نبی کی یہ وحی نقل کی ہے:

وقال مالک بن دینار اَوْحَى اللّٰهُ اِلَى النَّبِيِّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ اَنْ قُلْ لِقَوْمِكَ لَاتَدْخُلُوْامَدَاخِلَ اَعْدَائِيْ وَلَاتَلْبِسُوْامَلَابِسَ اَعْدَائِيْ وَلَاتَرْكَبُوْامَرَاكِبَ اَعْدَائِيْ

وَلَاتَطْعَمُوْا مَطَاعِمَ اَعْدَائِیْ فَیَکُوْنُوْا اَعْدَائِیْ کَمَاهُمْ اَعْدَائِیْ.

مالک بن دینارؒ کہتے ہیں کہ انبیاء سابقین میں سے ایک نبی کے پاس اللہ کی طرف سے یہ وحی آئی کہ آپ اپنی قوم سے یہ کہہ دیں کہ میرے دشمنوں کے گھسنے کی جگہ میں نہ گھسیں اور نہ میرے دشمنوں جیسا لباس پہنیں اور نہ میرے دشمنوں جیسی سواریوں پر سوار ہوں اور نہ میرے دشمنوں جیسے کھانے کھائیں، (یعنی ہر چیز میں ان سے ممتاز اور جدا رہیں) ایسا نہ ہو کہ یہ بھی میرے دشمنوں کی طرح میرے دشمن بن جائیں۔

اس وحی کا آخری جملہ فیکونوا اعدائی کماھم اعدائی۔ ایسا ہے جیسے کہ قرآن کریم میں مسلمانوں کافروں کے ساتھ اٹھنے اور بیٹھنے کی ممانعت کے بعد یہ فرمایا:

اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۔ (نساء:۱۴۰)

اس وقت تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔

اور ارشاد فرمایا:

مَن یَّتَوَلَّهُمْ مِنکُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ. (المائدہ:۵۱)

جو کافروں سے دوستی کرے گا وہ انہی میں سے شمار ہوگا۔

منع تشبہ پر حدیثی دلائل

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَیْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَیْرِنَا لَاتَشَبَّهُوْا بِالْیَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی فَاِنَّ تَسْلِیْمَ الْیَهُوْدِ الْاِشَارَةُ بِالْاَصَابِعِ وَتَسْلِیْمَ النَّصَارٰی الْاِشَارَةُ بِالْاَکُفِّ. (ترمذی، رقم:۲۶۱۹)

ہمارے غیر کے ساتھ مشابہت رکھنے والا ہم میں سے نہیں، تم یہود و نصاریٰ کی مشابہت اختیار نہ کرو، پس یہود کا سلام انگلیوں سے اشارہ کرنا اور عیسائیوں کا سلام ہتھیلی سے اشارہ کرنا ہے۔

حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَاتُسَاکِنُوا الْمُشْرِکِیْنَ وَلَاتُجَامِعُوْهُمْ فَمَنْ سَاکَنَهُمْ اَوْ جَامَعَهُمْ فَهُوَ مِنْهُمْ.

(المعجم الکبیر للطبرانی، رقم:۶۷۶۲)

تم مشرکوں کے ساتھ رہائش اختیار نہ کرو اور ان کی (کسی مذہبی یا قومی رسم ورواج میں) موافقت نہ کرو، پس جو ان کے ساتھ رہا یا ان کی موافقت اختیار کی، تو انہی میں سے ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ. (ابوداؤد، رقم:۴۰۳۱)

جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔

تشبہ بالاغیار کے مفاسد اور نتائج

غیروں کی سی وضع قطع اور ان جیسا لباس اختیار کرنے میں بہت سے مفاسد ہیں۔

(۱) پہلا نتیجہ یہ ہوگا کہ کفر اور اسلام میں ظاہری امتیاز نہیں رہے گا اور ملت حقہ، ملت باطلہ کے ساتھ ملتبس ہو جائے گی، حقیقت یہ ہے کہ اغیار کی مشابہت معاذ اللہ لادینیت کا دروازہ اور اس کی دہلیز ہے۔

(۲) دوم یہ کہ غیروں کی مشابہت اختیار کرنا غیرت کے بھی خلاف ہے، آخر قومی نشان اور قومی پہچان بھی کوئی چیز ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ شخص فلاں قوم کا ہے، اگر یہ ضروری ہے تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ دوسری قوموں کا لباس نہ پہنیں جیسے اور قومیں اپنی اپنی وضع کی پابند ہیں اسی طرح اسلامی غیرت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم بھی اپنی وضع کے پابند رہیں اور دوسری قوموں کے مقابلہ میں ہماری خاص پہچان ہو۔

(۳) کافروں کا معاشرہ، تمدن اور لباس اختیار کرنا در پردہ ان کی سیادت اور برتری کو تسلیم کرنا ہے، بلکہ اپنی کمتری، کہتری اور تابع ہونے کا اعتراف اور اعلان ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا، اس لئے کہ کمتر ہی برتر کی وضع اختیار کرتا ہے نہ کہ برعکس۔ محکوم حاکم کی تقلید پر مجبور ہوتا ہے اور اس کی خوشنودی کے لئے اس جیسا لباس پہنتا ہے، اسلام جب ایک کامل اور مستقل دین ہے تو وہ اوروں کی کیوں تقلید کرے۔

(۴) نیز اس تشبہ بالکفار کا ایک نتیجہ یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ کافروں کی مودت کا دل میں میلان اور داعیہ پیدا ہوگا جو صراحت کے ساتھ ممنوع ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ۔ (ہود:۱۱۳)

ترجمہ: اور ان لوگوں کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں، مبادا ان کی طرف مائل ہونے کی وجہ سے تم کو آگ نہ لگے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تمہارا دوست اور مددگار نہیں، پھر تم کہیں مدد نہ پاؤ گے۔

بلکہ غیر مسلموں کا لباس، تمدن اور شعار اختیار کرنا ان کی محبت کی علامت ہے جو شرعاً ممنوع ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (المائدہ:۵۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ، وہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے دوست اور رفیق ہیں، وہ تمہارے دوست نہیں اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ انہی میں سے ہو جائے گا، تحقیق اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت کرتا ظالم لوگوں کو۔

کیا یہ صریح ظلم نہیں کہ دعویٰ تو ہو ایمان اور اسلام کا، یعنی اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا اور صورت، ہیئت، وضع وقطع اور تمدن اس کے دشمنوں کا ہو۔ کوئی بادشاہ اور کوئی حکومت کبھی اس بات کو برداشت نہیں کر سکتی کہ دعویٰ تو ہو اس کی وفاداری کا اور دوستانہ تعلقات ہوں حکومت کے دشمنوں سے، حکومت کے دشمنوں سے دوستی، تعلقات اور ان کے ساتھ نشست و برخاست یہ سب باتیں قانوناً جرم ہیں۔ پس اگر اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں اور اپنے وزراء اور سفراء یعنی انبیاء و مرسلین کے منکروں اور مخالفوں سے دوستانہ تعلقات، ان کے ساتھ نشست و برخاست، وضع قطع، ہیئت اور تمدن میں ان کی مشابہت سے منع کرتا ہے تو اس پر کیوں ناک منہ چڑھایا جاتا ہے۔

(۵) اس کے بعد رفتہ رفتہ اسلامی لباس اور اسلامی تمدن کے استہزاء اور تمسخر کی نوبت آئے گی، اسلامی لباس کو حقیر سمجھے گا اور تبعاً اس کے پہننے والوں کو بھی حقیر سمجھے گا، اگر اسلامی لباس کو حقیر نہ سمجھتا تو انگریزی لباس کو کیوں اختیار کرتا۔

(۶) اسلامی احکام کے اجراء میں دشواری پیش آئے گی، مسلمان اس کی کافرانہ صورت دیکھ کر گمان کریں گے کہ یہ کوئی یہودی یا نصرانی، یا ہندو ہے اور اگر کوئی ایسی لاش مل جائے تو تردد ہوگا کہ اس کافرنما انسان کی نماز جنازہ پڑھیں یا نہ پڑھیں اور کس قبرستان میں اس کو دفن کریں۔

(۷) جب اسلامی وضع کو چھوڑ کر دوسری قوم کی وضع قطع اختیار کرے گا تو قوم میں اس کی کوئی عزت باقی نہیں رہے گی اور جب قوم ہی نے اس کی عزت نہ کی تو غیروں کو کیا پڑی ہے کہ وہ اس کی عزت کریں، غیر بھی اس کی عزت کرتے ہیں جس کی قوم میں عزت ہو۔

(۸) دوسری قوم کا لباس اختیار کرنا اپنی قوم سے بے تعلقی کی دلیل ہے۔

(۹) افسوس کہ دعویٰ تو اسلام کا، مگر لباس، طعام، معاشرہ، تمدن، زبان اور طرز زندگی سب کا سب اسلام کے دشمنوں جیسا، جب حال یہ ہے تو اسلام کے دعوے ہی کی کیا ضرورت ہے، اسلام کو ایسے مسلمانوں کی نہ کوئی حاجت ہے اور نہ کوئی پرواہ ہے جو اس کے دشمنوں کی مشابہت کو اپنے لئے موجب عزت اور باعث فخر سمجھتے ہوں۔

تقسیم ہند کے وقت اسلام کے ساتھ نصاریٰ کی دشمنی کا مشاہدہ ہو گیا تھا، اسی طرح برطانیہ نے باہر سے چار لاکھ یہودی لا کر فلسطین میں بسائے اور فلسطین کو تقسیم کیا اور آج نصرانیت کے علمبردار امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے عالم اسلام کو تاراج کرنے کی ٹھان لی ہے، غرض نصاریٰ کی مسلمانوں سے دشمنی آفتاب کی طرح روشن ہے، پھر نہ معلوم کیوں مسلمان اپنے دشمنوں کے معاشرہ کو اختیار کرتے جا رہے ہیں، اصل وجہ یہ ہے کہ لوگ انگریزی وضع قطع اور تمدن کو اہل حکومت اور اہل شوکت کی علامت سمجھتے ہیں جس کا حاصل یہ ہوا کہ انگریزوں کے ہم شکل بنیں گے تو عزت اور شوکت حاصل ہوگی۔

ترقی کا راز

یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اسلام کی روشنی مکہ مکرمہ کے افق سے روئے زمین پر پھیلی جس سے تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمانوں کی کایا پلٹ گئی، ان کو دینی اور دنیوی ترقی حاصل ہوگئی اور جو سلطنت قاہرہ اور سطوت جہاں داری اور فرماں روائی ان کو حاصل ہوئی اس کا سبب یہ نہ تھا کہ انہوں نے سلاطین وقت کے مروجہ علوم نہایت سرگرمی سے حاصل کئے تھے، یا تجارت وصنعت میں انہوں نے

بڑی دستگاہ پیدا کی تھی، یا سودی کاروبار کو انہوں نے وسیع پیمانہ پر پھیلایا تھا اور بڑی تجارتوں کے لیے سودی بینک قائم کئے تھے۔ بلکہ اس کا اصلی سبب یہ تھا کہ آسمانی شریعت کی مشعل ہدایت ان کی ہادی اور رہنما تھی اور اتباع نبوی ان کی قوت تھی، یہی ان کا لشکر تھا اور یہی ان کا ہتھیار.....جس سے چند روز میں انہوں نے ایسی عظیم الشان سلطنت قائم کر لی جس نے قیصر و کسریٰ کی عظمت و جلال کو خاک میں ملا دیا۔

یہ ایک ایسا بدیہی مسئلہ ہے کہ جس پر کوئی دلیل اور برہان قائم کرنے کی حاجت نہیں یہود و نصاریٰ کے مؤرخین اس پر گواہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ مکہ مکرمہ میں مبعوث ہوئے اور تن تنہا عرب کے وحشیوں، جاہلوں اور اونٹ چرانے والوں کو توحید کا سبق پڑھایا، ایک طرف تو ان کو عبودیت اور معرفت سے آگاہ کیا اور دوسری طرف ان کو جہاں بانی اور عدل و عمرانی کے وہ طریقے بتلائے کہ جس سے وہ چند ہی روز میں ایک زبردست سلطنت کے مالک بن گئے، حالانکہ ان کے پاس نہ کوئی مال و دولت تھا، نہ کوئی فوج اور طاقت.....نہ انہوں نے غیر قوموں کے علوم و فنون حاصل کئے اور نہ انہوں نے سود کو حلال قرار دیا تھا، بلکہ یہ سب اتباع شریعت کی برکت تھی۔

آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد صدیق اکبرؓ آپ کے جانشین ہوئے تو آپ نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں شریعت کی پابندی کو پورا پورا ملحوظ رکھا، آپ کے عہد خلافت میں جن قبیلوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، ان پر فوج کشی کی اور قسم کھا کے یہ فرمایا کہ جو رسی آنحضرت ﷺ کے زمانے میں دیتے تھے، اگر اس کے دینے میں بھی تامل کریں گے، تو میں ان سے جہاد و قتال کروں گا، پھر مرتدین اور مدعیان نبوت سے جہاد و قتال کیا اور ان کا قلع قمع فرمایا۔

اسی طرح خلیفہ ثانی کے زمانے میں اسلام کی شوکت اتباع شریعت ہی کی برکت سے تھی، دنیا کے بڑے بڑے سلاطین ان سے ڈرتے تھے۔ جس نبی کے اتباع کی برکت سے صحابہؓ کو ذوالقرنین اور سلیمان جیسی حکومت ملی جس سے قیصر و کسریٰ کا تختہ الٹا اور ان کی فوجوں، تمدن اور معاشرہ کو صحابہؓ نے کھلے بندوں پچھاڑا، اسی طریق کو اختیار کرنے سے ہی ترقی ہوگی۔

امام مالکؒ کا ارشاد ہے:

لایَصلُحُ آخرُ ھٰذِہِ الاُمّۃِ اِلّابِمَاصَلُحَ بِہٖ اَوّلُھا.

ترجمہ: اس امت کے آخر کو اسی چیز سے صلاح اور فلاح حاصل ہوگی جس چیز سے امت کے اول کو صلاح اور فلاح حاصل ہوئی۔

شریعت اسلام نے حکمرانی کے وہ اصول بتائے کہ جو دنیا نے نہ کبھی دیکھے تھے نہ سنے تھے، اسی کے اتباع سے ترقی ہوگی، غیروں کی پیروی اور نقالی سے ترقی نہیں ہوسکتی، ترقی کا دارومدار یہود ونصاریٰ کی مشابہت پر نہیں بلکہ اسوۂ نبوی کی پیروی پر ہے جیسا کہ خلفائے راشدینؓ اور خلفائے بنوامیہ وخلفائے عباسیہ کے دور میں ہونے والی ترقی مشابہت کفار کی بناء پر نہ تھی بلکہ اتباع نبوی کی بناء پر تھی جبکہ ہمارے تنزل کا اصلی سبب تشبہ بالاغیار اور تشبہ بالانبیاء سے انحراف ہے۔

یہ گمان کرنا کہ اغیار کی تہذیبی مخالفت ان کی نگاہوں میں ہماری بے وقعتی کا موجب ہے، سو یہ خیال خام ہے، عزت ووقعت کا دارومدار قابلیت پر ہے، نہ کہ ان کی نقل اتارنے پر، بلکہ نقل اتارنے والے کو خوشامدی سمجھا جاتا ہے جو بذات خود بڑی بے وقعتی ہے۔ مسلمان خواہ کتنے ہی کافروں کے معاشرہ اور تمدن کے رنگ میں رنگ جائیں، یہود ونصاریٰ مسلمانوں سے اس وقت تک راضی نہیں ہوسکتے جب تک مسلمان اپنے آپ کو ملت اسلام کا پیروکار بتاتے رہیں۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے:

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصَارٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ. (البقرہ:۱۲۰)

ترجمہ: اور یہود ونصاریٰ ہرگز آپ سے راضی نہ ہوں گے یہاں تک کہ آپ ان کی ملت کا اتباع نہ کریں۔

اگر مسلمان ترقی چاہتے ہیں تو اس طریقے کو اختیار کریں گے جس سے صدر اول میں اسلام کو ترقی ہوئی اور چہار دانگ عالم میں اسلام کا ڈنکا بجا۔ تاریخ عالم اس پر شاہد ہے کہ جو شوکت واقتدار، فتوحات کی ترقی اور علمی، فنی اور اخلاقی عروج خلفائے راشدین اور خلفائے بنی امیہ وبنی عباس کے زمانے میں مسلمانوں کو حاصل رہا، امریکہ وبرطانیہ کو مل کر بھی وہ عروج حاصل نہیں ہوا۔

مغربی قومیں عرب کے جاہلوں سے زیادہ وحشی تھیں، خلفائے عباسیہ کے دور میں جو علم وحکمت کا

چرچا ہوا تو مغربی اقوام نے مسلمانوں سے علوم وفنون حاصل کر کے اپنی زبانوں میں ترجمے کئے اور ترقی کی جس منزل پر پہنچے وہ دنیا کے سامنے ہے، اب اسلامی فرماں رواؤں کو چاہیے کہ علوم جدیدہ کو اپنی زبان میں منتقل کریں تا کہ عام مسلمان اس سے استفادہ کر سکیں اور کالج میں جا کر عمر عزیز کے چودہ سال اور اپنی گاڑھی کمائی کے ہزاروں روپے غیر قوموں کی زبان سیکھنے کی نذر نہ کریں۔

الحاصل جب تک خلفائے اسلام اتباع شریعت میں سرگرم رہے، ان کی سلطنت روز بروز ترقی کرتی رہی، مخالفین کی نظروں میں ان کی عزت اور ہیبت رہی، دشمنوں کے دل ان سے ہلتے رہتے اور تائید الٰہی ان کے شامل حال رہی۔ پھر جس قدر وقتاً فوقتاً سلاطین اسلام میں پابندی شریعت کا خیال کم ہوتا گیا اور عیش وعشرت اور نفسانی خواہشوں میں توغّل بڑھتا گیا، اسی قدر اسلامی سلطنت کی بنیاد کمزور ہوتی گئی اور اسلامی حکومت کا دائرہ مختصر ہوتا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ. (الرعد:۱۱)

اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتے جب تک وہ خود اپنی حالتوں میں تغیر نہ پیدا کر لیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی نگہبانی اور مہربانی سے محروم نہیں کرتا جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی چال اور طور طریق کو نہ بدلیں۔

تشبہ کے مفاسد پر حضرت عمر فاروقؓ کا تنبہ

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور قیصر وکسریٰ کی حکومت کا تختہ الٹا گیا تو فاروق اعظمؓ کو فکر دامن گیر ہوئی کہ عجمیوں کے اختلاط سے اسلامی امتیازات اور خصوصیات میں کوئی فرق نہ آجائے، اس لئے ایک طرف تو مسلمانوں کو تاکید کی کہ غیر مسلموں کی تشبہ سے پرہیز کریں اور ان جیسی ہیئت، لباس اور وضع قطع اختیار نہ کریں اور دوسری طرف کافروں کے لئے ایک فرمان جاری کیا کہ کفار اپنی خصوصیات اور امتیازات میں نمایاں رہیں اور مسلمانوں کی وضع قطع اور ان کی طرح ازار وعمامہ استعمال نہ کریں تا کہ اپنے اور پرائے میں التباس نہ ہو اور اشتباہ اور التباس کا دروازہ بند ہو جائے۔

مسلمانوں کے نام فاروق اعظمؓ کا فرمان

امام بخاری راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ان مسلمانوں کے نام جو بلاد فارس میں مقیم تھے یہ فرمان جاری کیا:

اے مسلمانو! اپنے آپ کو اہل شرک اور اہل کفر کے لباس اور ہیئت سے دور رکھنا۔

ایک روایت میں ہے کہ اس طرح فرمان جاری فرمایا:

امابعد اے مسلمانو! ازار اور چادر کا استعمال رکھو اور جوتے پہنو اور اپنے جد امجد اسماعیل علیہ السلام کے لباس (لنگی اور چادر) کو لازم پکڑو اور اپنے آپ کو عیش پرستی اور عجمیوں کے لباس اور ان کی وضع قطع سے دور رکھو کہ کہیں تم لباس میں عجمیوں کے مشابہ نہ بن جاؤ اور حضرت اسماعیل کے نبیرہ معد بن عدنان کی وضع قطع اختیار کرو اور موٹے، کھردرے اور پرانے کپڑے پہنو جو اہل تواضع کا لباس ہے۔

(فتح الباری)

مسند احمد بن حنبلؒ میں ہے کہ ابو عثمان نہدیؒ کہتے ہیں:

ہم آذربیجان میں تھے کہ ہمارے امیر لشکر عتبہ بن فرقدؓ کے نام فاروق اعظمؓ کا یہ فرمان پہنچا: اے عتبہ بن فرقد! تم سب کا یہ فرض ہے کہ اپنے آپ کو عیش پرستی، کافروں اور مشرکوں کے لباس، ہیئت اور وضع قطع سے دور اور محفوظ رکھیں اور ریشمی لباس کے استعمال سے پرہیز رکھیں۔

کافروں کے متعلق فاروق اعظمؓ کا فرمان

فاروق اعظمؓ کا وہ فرمان کہ جو نصارائے شام کے عہد اور اقرار کے بعد بطور شرائط تمام قلمرو خلافت میں جاری کیا گیا اور جن شرائط پر نصارائے شام کو جان و مال اور اہل و عیال کا امن دیا گیا وہ یہ تھا:

ہم نصارائے شام اپنی جانوں، مالوں، اہل و عیال اور اپنے اہل مذہب کے لئے امیر المؤمنین فاروق اعظمؓ سے امان طلب کرتے ہیں اور اپنے نفسوں پر بطور شرط اور عہد امور ذیل کو لازم گردانتے ہیں:

(۱) ہم مسلمانوں کی تعظیم و توقیر کریں گے۔

(۲) اگر مسلمان ہماری مجلسوں میں بیٹھنا چاہیں گے تو ہم ان کے لئے مجلس چھوڑ دیں گے۔

(۳) ہم کسی امر میں مسلمانوں کے ساتھ مشابہت اختیار نہیں کریں گے، نہ لباس میں، نہ ٹوپی میں، نہ عمامہ میں، نہ جوتے میں، نہ سر کی مانگ میں۔

(۴) ہم ان جیسا کلام نہیں کریں گے۔

(۵) نہ مسلمانوں جیسا نام اور کنیت رکھیں گے۔

(۶) نہ گھوڑے کی زین پر سواری کریں گے۔

(۷) نہ تلوار لٹکائیں گے۔

(۸) نہ کسی قسم کا ہتھیار بنائیں گے اور نہ اٹھائیں گے۔

(۹) نہ اپنی مہروں پر عربی نقش کندہ کرائیں گے۔

(۱۰) نہ شراب کا کاروبار کریں گے۔

(۱۱) سر کے اگلے حصہ کے بال کٹوائیں گے۔

(۱۲) جہاں بھی رہیں گے اپنی ہی وضع پر رہیں گے۔

(۱۳) اپنے گلوں میں زنار لٹکائیں گے۔

(۱۴) اپنے گرجاؤں پر صلیب کو بلند نہیں کریں گے۔

(۱۵) مسلمانوں کے کسی راستہ اور بازار میں اپنی مذہبی کتاب شائع نہیں کریں گے۔

(۱۶) ہم اپنے گرجاؤں میں ناقوس نہایت آہستہ بجائیں گے۔

(۱۷) ہم اپنے مردوں کے ساتھ آوازیں بلند کریں گے۔

(۱۸) ہم اپنے مردوں کے ساتھ آگ نہیں لے جائیں گے، (یہ مجوس کے متعلق ہے جو آگ کی پرستش کرتے تھے۔)

اس روایت کی سند نہایت عمدہ اور کھری ہے۔

عبدالرحمٰن بن غنم اشعریؒ فرماتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ اور نصارائے شام کے مابین جو شرائط امن طے پائیں وہ تحریر میں نے لکھی (جس میں علاوہ شرائط مذکورہ کے یہ شرائط بھی تھے۔)

(۱۹) ہم اپنی آبادی میں کوئی نیا گرجا نہیں بنائیں گے۔

(۲۰) جو گرجا خراب ہو جائے گا اس کی تجدید نہیں کریں گے۔

(۲۱) جو خطہ زمین مسلمانوں کے لئے ہوگا ہم اس کو آباد نہیں کریں گے۔

(۲۲) کسی مسلمان کو دن ہو یا رات کسی وقت بھی اپنے گرجا میں اترنے سے نہ روکیں گے۔

(۲۳) اپنے گرجاؤں کے دروازے مسافروں اور گزرنے والوں کے لئے کشادہ رکھیں گے۔

(۲۴) تین دن تک مسلمان مہمان کی مہمانی کریں گے۔

(۲۵) اپنے کسی گرجے اور کسی مکان میں مسلمانوں کے جاسوس کو ٹھکانہ نہیں دیں گے۔

(۲۶) مسلمانوں کے کسی غل و غش کو پوشیدہ نہیں رکھیں گے۔

(۲۷) اپنی اولاد کو قرآن کی تعلیم نہیں دیں گے۔

(۲۸) کسی شرک کی رسم کو اعلانیہ طور پر نہیں کریں گے۔

(۲۹) نہ کسی کو شرک کی دعوت دیں گے۔

(۳۰) اور نہ اپنے کسی رشتہ دار کو اسلام میں داخل ہونے سے روکیں گے۔

عبدالرحمٰن بن غنم اشعریؒ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ شرائط نامہ لکھ کر فاروق اعظمؓ کے ملاحظہ کیلئے لاکر سامنے رکھا، تو فرمایا کہ اس تحریر میں اتنا اضافہ اور کردو:

(۳۱) ہم کسی مسلمان کو ماریں گے نہیں، یعنی تکلیف نہیں پہنچائیں گے۔

ہم نے ان شرائط پر اپنے لئے اور اپنے اہل مذہب کے لئے امان حاصل کیا ہے، پس اگر ہم نے شرائط مذکورہ بالا میں سے کسی شرط کے خلاف ورزی کی تو ہمارا عہد اور امان ختم ہو جائے گا اور جو معاملہ اہل اسلام کے دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ ہے، وہی ہمارے لئے روا ہو جائیگا۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص مغربی یا ہندوانہ تہذیب اختیار کرے تو کیا اس کے عقیدہ توحید و رسالت میں کوئی فرق آجائے گا یا اس سے وہ کافر ہو جائے گا، جو اس پر اتنی شدت اختیار کی جاتی ہے؟

اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنا مردانہ لباس اتار دیں اور دولت خانہ میں جا کر بیگم صاحبہ کا زرق

برق لباس، ہاتھوں میں چوڑیاں، پاؤں میں پازیب اور گلے میں ہار ڈال کر باہر تشریف لا کر دفتر میں کرسی پر تشریف فرما ہوں، تو کیا آپ بیگم صاحبہ بن جائیں گے؟ کیا آپ کی باطنی مردانگی میں کوئی فرق یا خلل آجائے گا اور دفتر کی کرسی پر بیٹھنا گوارا کریں گے، جب انگریزی لباس سے مسلمان کافر نہیں بن جاتا تو کیا ایک مرد بیگم صاحبہ کا لباس پہن لینے سے عورت یا بیگم صاحبہ بن جائے گا، محض زنانہ لباس سے اس کی رجولیت اور مردانگی میں کیا فرق آجائے گا۔ علیٰ ہذا اگر کوئی شخص ہیجڑے کا لباس پہن لے تو کیا وہ حقیقت میں ہیجڑا ہو جائیگا، بے شک اس لباس سے فی الحال تو مرد عورت یا ہیجڑا نہیں بن جائے گا لیکن اگر خدانخواستہ چند دن اسی لباس میں گزر گئے تو آپ دیکھ لیں گے کہ چند روز کے بعد اس کے اخلاق و اعمال زنانہ ہو جائیں گے اور لہجہ و طرز کلام اور نشست و برخاست زنانہ اور مخنثانہ ہو جائے گی، کیونکہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے، تمام عقلاء کا اتفاق ہے کہ جس طرح باطن کا اثر ظاہر پر پڑتا ہے، اسی طرح ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے، اچھے اعمال سے قلب منور ہوتا ہے اور برے اعمال سے قلب تاریک ہوتا ہے۔

پس انگریزی یا ہندوانہ تہذیب سے فی الحال اگرچہ اسلامی عقائد میں خلل نہیں آیا، لیکن یہ کیسے معلوم ہوگا کہ آئندہ چل کر بھی اس کے باطنی اعتقاد میں خلل نہیں آئے گا اور جب تک اسلامی عقیدہ محفوظ ہے، اس وقت تک اغیار کی تہذیب اپنانے سے فقط ان کی مشابہت ہے اور حسب ارشاد نبوی مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ. مشابہت کا جرم ہے اور خدانخواستہ جس دن ظاہر کا اثر باطن پر پہنچ جائے اور اسلامی عقائد میں بھی خلل آجائے تو یہ اعتقادی مشابہت ہے جس سے ایمان کی دولت چھن جاتی ہے، اگرچہ زبان سے اسلام کا دعویٰ ہو، ایسا اسلام قومی کہلائے گا شرعی اسلام نہیں کہلائے گا، شرعی اسلام وہ ہے کہ جو قواعد شرعیہ کے مطابق ہو۔

قانوناً پاکستانی وہ ہے کہ جو حکومت پاکستان کے قوانین مانتا ہو اور دشمنان حکومت کی وردی کے استعمال سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہو اور جو شخص پاکستان کے قوانین اور احکام پر نکتہ چینی کرتا ہو اور بھارت کی وردی پہن کر بازاروں میں پھرتا ہو، اگرچہ ایسا شخص قومی حیثیت سے پاکستانی ہو، مگر حکومت کے قانون اور ضابطہ سے وہ دشمنان حکومت میں سے ہے۔

اسلامی لباس کی تعریف

کسی فعل اور عمل کو اسلامی کہنے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ نے خود اس کام کو کیا ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس کی اجازت دی ہو اور اس سے منع نہ فرمایا ہو۔ پس جس امر سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہو وہ امر غیر اسلامی ہوگا اور جس کو خود کیا ہو یا اس کی اجازت دی ہو وہ امر اسلامی کہلائے گا، مثلاً جو کی روٹی کھانا آپ کی سنت فعلی ہے اور اس پر عمل کرنا اعلیٰ و افضل ہے اور خمیری روٹی اور بریانی اور مرغ کا استعمال جائز ہے، کیونکہ ان لذائذ اور طیبات کی شریعت سے اجازت ثابت ہے اور کتے اور خنزیر اور شراب کا استعمال غیر اسلامی ہوگا، کیونکہ شریعت میں ان چیزوں کی ممانعت آئی ہے، اسی طرح لباس کا معاملہ ہے جو لباس آنحضرت ﷺ نے خود استعمال کیا مثلاً کرتا، لنگی چادر، جبہ اور عمامہ وہ لباس اسلامی ہے اور جو لباس آنحضرت ﷺ نے خود استعمال نہیں کیا مثلاً پاجامہ، سلیم شاہی جوتا، اچکن اور صدری، لیکن آپ کی شریعت سے ان کی اجازت ثابت ہے، اور جن کی ممانعت فرمائی جیسے ریشمی کپڑوں اور زعفرانی رنگ اور ٹخنوں سے نیچے لنگی اور پاجامہ پہننے کی ممانعت فرمائی تو یہ ریشمی اور زعفرانی لباس غیر اسلامی لباس کہلائے گا۔

اسی طرح قرآن و حدیث سے کافروں کے ساتھ تشبہ کی ممانعت ثابت ہے، اس لئے کافروں جیسا لباس پہننا یا ان کی تہذیب اختیار کرنا جس سے دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہو کہ یہ شخص یہودی ہے، نصرانی ہے، مجوسی ہے، یا ہندو ہے بلاشبہ ایسا لباس غیر اسلامی ہوگا۔

اس تفصیلی تجزیے کے تناظر میں اپنی تہذیب کی پابندی کا شرعی مرتبہ واضح ہو گیا، آج اسلامی معاشرے میں اپنی تہذیب کی پامالی، اغیار کی مشابہت پر فخر اور خصوصاً ان کے تہواروں میں دلچسپی وبائی مرض کی صورت اختیار کر چکی ہے جس کی روک تھام ارباب حل وعقد کا فریضہ ہے اور اس سے تساہل برتنا قومی و ملی جرم ہے۔

غیر اسلامی تقریبات اور تہواروں میں شرکت کا حکم

اسلام میں غیر مسلموں کی تقریبات میں شرکت سے روکنا کئی مصالح اور مضمرات کی وجہ سے

ہیں، ایک مسلمان کو ان تہواروں میں شرکت سے روکنے والی پہلی چیز ان کا مشرکانہ اور مخالف اسلام ہونا ہے، ان میں شرکت کا معنی یہ ہے کہ توحید کے علم بردار کفر وشرک کے تماشوں اور نمائشوں میں دلچسپی لیں اور ان رسوم سے تفریح طبع کا سامان بہم پہنچائیں۔

علامہ ابن تیمیہؒ کی رائے ہے کہ غیر اسلامی تقریبات میں شرکت کسی طرح جائز نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا. (الفرقان:۷۲)

ترجمہ: اور وہ لوگ لغویات میں حاضر نہیں ہوتے اور جب کسی بے ہودہ مجلس کے پاس سے گزرتے ہیں تو باوقار طریقے سے گزر جاتے ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ نے "زُور" سے مراد غیر مسلموں کی تقریبات لی ہیں۔

☆ ابوبکر خلالؒ نے "جامع" میں محمد بن سیرینؒ سے نقل کیا ہے کہ "زُور" عیسائیوں کی عید "شعانین" ہے۔

☆ مجاہدؒ کہتے ہیں: هُوَ اَعْيَادُ الْمُشْرِكِيْن. یہ مشرکوں کی عید کو کہتے ہیں۔

☆ ربیع بن انسؒ بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔ عکرمہؒ کا فرمان ہے: لَعِبٌ كَانَ لَهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّة. یہ ایک جاہلی کھیل تماشا تھا۔

☆ قاضی ابویعلیٰؒ نے بھی اس سے کفار کی عید مراد لی ہے۔

☆ ابوشیخ اصفہانیؒ نے ضحاکؒ سے بھی یہی رائے نقل کی ہے۔

☆ عمرو بن مرہؒ نے اس کا مطلب عیدوں میں شرکت نقل کیا ہے۔

☆ عطاء ابن یسارؒ نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے:

اِيَّاكُمْ وَمُوَاطَنَةَ الْاَعَاجِمِ وَاَنْ تَدْخُلُوْا عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ يَوْمَ عِيْدِهِمْ فِيْ كَنَائِسِهِمْ. (شعب الایمان للبیہقی، رقم:۹۳۸۶)

نہ عجمی رہن سہن اختیار کرو اور نہ ان کے عید کے دن غیر مسلم عبادت گاہوں میں جاؤ۔

بعض مفسرین کرامؒ نے اس آیت میں "زُور" سے مراد جھوٹی گواہی لی ہے، لیکن علامہ ابن تیمیہؒ

اسے نحوی اعتبار سے درست نہیں سمجھتے، وہ فرماتے ہیں کہ "شھادۃ" کا صلہ "ب" آتا ہے، اگر یہ گواہی کے معنی میں ہوتا تو آیت میں "بالزور" ہونا چاہیے تھا اور ایسا نہیں، لہٰذا "شھادۃ" یہاں حضوری کے معنی میں ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے عیدوں میں تماش بینی اور حاضری منع کردی تو عملاً انہیں منانا کہاں جائز ہوسکتا ہے؟

احادیث میں امتناعی احکام

عن انس ؓ قال قدم النبی ﷺ المدینۃ ولھم یومان یلعبون فیھما فقال ماھذان الیومان؟ قالوا: کنا نلعب فیھما فی الجاھلیۃ. فقال رسول اللہ ﷺ قد ابدلکم اللہ لھما خیرا منھما یوم الاضحی ویوم الفطر. (مشکوٰۃ، ج:۱،ص:۱۲۶)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب مدینہ تشریف لے آئے تو اہل مدینہ اپنے خاص دو دنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دو دن کیسے کھیل کود کے لیے خاص ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا: ہم زمانہ جاہلیت میں ان ایام کے دوران کھیلا کرتے تھے (یہ وہی جاہلی عید ہے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اس کے بدلے اس سے بہتر دو عیدیں مقرر کی ہیں، یعنی عید الاضحیٰ اور عید الفطر۔

ملا علی قاریؒ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

(یومان یلعبان فیھما) وھما یوم النیروز ویوم المھرجان کذا قال الشراح وفی القاموس النیروز اوّل یوم السنۃ معرب نوروز. قدم الیٰ علی رضی اللہ عنہ شئی من الجلادی فسال عنہ فقالوا النیروز فقال نیروزنا کل یوم وفی المھرجان قال مھرجاننا کل یوم .....نھیٰ عن اللعب والسرور فیھما ای فی النیروز والمھرجان وفیہ نھایۃ من اللطف وامر بالعبادۃ لان السرور الحقیقی فیھما قال اللہ تعالیٰ قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا. قال المظھری فیہ دلیل علیٰ ان تعظیم النیروز والمھرجان وغیرھما ای من اعیاد الکفار منھی عنہ. (مرقاۃ، ج:۳،ص:۲۹۲)

شارحین کے مطابق اہل مدینہ کے کھیل کود کے دو دنوں سے مراد ''نیروز'' اور ''مہرجان'' ہیں۔ قاموس کے مطابق نیروز فارسی لفظ نوروز سے بنایا گیا ہے اس کا مطلب سال کا پہلا دن ہے۔ حضرت علیؓ کے پاس نیروز یا مہرجان کے دن کھانے پینے کوئی چیز لائی گئی تو آپ نے قبول نہیں فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ہمارا ہر دن نیروز اور مہرجان ہے۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ سال اور موسم بہار کے پہلے دن یعنی نیروز اور مہرجان کو کھیل کود اور تماشوں سے روکا گیا ہے اور عبادت کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ اصل سرور تو عبادت میں ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: کہہ دیجیے! اللہ کے فضل اور اس کی رحمت ہی سے چاہیے کہ وہ خوش ہوں۔ اس حدیث میں نیروز، مہرجان اور کفار کے دیگر تہواروں کی تعظیم کی ممانعت کا پتہ چلتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ جب دو نئی عیدیں جاہلی عیدوں کی جگہ مقرر ہوئیں تو وہ عیدیں خود بخود منسوخ ہو گئیں اور منسوخی کے بعد ان میں شرکت اللہ تعالیٰ کی صریح نافرمانی ہوگی۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے سختی سے اس حکم پر عمل درآمد کرایا ہوگا، ورنہ اس کے بغیر پرانی روایت کا یکسر ترک کر دینا انسانی فطرت کے خلاف ہے۔

ابوداؤد میں ثابت ضحاکؓ کی روایت ہے کہ عہد نبوی میں کسی نے نذر مانی کہ وہ بوانہ کے پاس ایک اونٹ ذبح کرے گا، چنانچہ جب اس نے اس بارے میں پوچھا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ یہاں کوئی بت تو نہ تھا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ نہیں۔ پھر پوچھا کہ کوئی جاہلی عید تو منعقد نہیں ہوتی تھی؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں۔ تب آپ نے فرمایا: اپنی نذر پوری کرو، اس لیے کہ صرف وہ نذر پوری نہیں کرنی چاہیے، جس میں معصیت ہو اور ابن آدم کے اختیار سے باہر ہو۔ (ابوداؤد)

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

جاہلی میلوں اور عبادت گاہوں پر عقیدت مندانہ حاضری کی ممانعت اس حدیث سے معلوم ہو رہی ہے، تو جاہلی تہواروں میں شرکت یا انہیں بذات خود منانا بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا۔

علامہ نے ایک تاریخی حقیقت سے استدلال کیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں یہود و نصاریٰ اور دوسری قومیں آباد تھیں اور قومی پیمانے پر اپنے تہوار یں بھی مناتی تھیں لیکن آنحضرت ﷺ کے حکم کے بعد کوئی

مسلمان کبھی ان تہواروں میں شریک نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی ان سے کسی قسم کا تعلق رکھتا تھا اس سے یہ بات فطرتاً طے ہو جاتی ہے کہ جب صدر اسلام میں غیر اسلامی تقریبات سے علیحدگی اختیار کی گئی تو وہی طرز عمل آج بھی ہمارے لیے نمونہ رہے گا۔

اجماع صحابہؓ سے حکم امتناع

حضرت عمرؓ نے ذمیوں پر شرط عائد کی تھی کہ وہ اپنی عیدوں اور تہواروں کا مظاہرہ نہ کریں اور تمام صحابہ کرامؓ بھی اس فیصلے میں ان کے ساتھ تھے اس سے معلوم ہوا کہ جب غیر مسلموں کو اسلامی مملکت میں اپنے تہواروں کے برملا اظہار کی اجازت نہیں تو خود مسلمانوں کا اس میں شریک ہونا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں:

مَنْ بَنیٰ بِبِلَادِ الْاَعَاجِمِ وَصَنَعَ نَیْرُوْزَهُمْ وَمَهْرَجَانَهُمْ وَتَشَبَّهَ بِهِمْ حَتّٰی یَمُوْتَ وَهُوَ کَذَالِکَ حُشِرَ مَعَهُمْ یَوْمَ الْقِیَامَة. (بیہقی، رقم:۱۹۳۳۵)

ترجمہ: جو عجم میں رہا سہا اور نوروز اور دوسری عیدیں مناتا اور ان کی نقل کرتا رہا، یہاں تک کہ وہ مر گیا تو وہ قیامت کے دن انہی کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے:

اِجْتَنِبُوْا اَعْدَاءَ اللّٰهِ فِیْ عِیْدِهِمْ. (بیہقی، رقم:۱۹۳۳۴)

ترجمہ: اللہ کے دشمنوں کی عید سے بچو۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے:

اِجْتَنِبُوْا اَعْدَاءَ اللّٰهِ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی فِیْ عِیْدِهِمْ یَوْمَ جَمْعِهِمْ فَاِنَّ السَّخْطَ یَنْزِلُ عَلَیْهِمْ فَاَخْشٰی اَنْ یُصِیْبَکُمْ وَلَا تَعْلَمُوْا بِطَانَتَهُمْ فَتَخَلَّقُوْا بِخُلُقِهِمْ.

(بیہقی، رقم:۹۳۸۵)

ترجمہ: اللہ کے دشمن یہود و نصاریٰ کی اجتماعی عیدوں سے بچو، ان پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے، مجھے خوف ہے کہ تم اس کا شکار ہو چلو اور ان کے باطن سے عدم واقفیت کی بنا پر ان کے رنگ میں رنگ

جاؤ۔

محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے نوروز کے موقع پر اپنی زبان سے یہ لفظ کہنا بھی مناسب نہ سمجھا۔(اقتضاء الصراط المستقیم، بحوالہ اسلام اور غیر اسلامی تہذیب، ص:۸۴،۸۵)

دار العلوم کراچی سے جاری ایک فتویٰ میں لکھا ہے:

غیر مسلموں کے تہواروں میں مسلمانوں کیلئے شرکت کرنا اور ان کو منانا درج ذیل مفاسد کی بنا پر ناجائز ہے۔

۱۔کفار کی نقالی اور مشابہت

۲۔اسراف اور فضول خرچی

۳۔مخلوط وغیر مخلوط اجتماع

۴۔وقت اور مال کا ضیاع

۵۔جھوٹ، غیر محارم سے میل جول، موسیقی وغیرہ جیسے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب

۶۔غیر مسلموں کا تہوار منا کر انکی اجتماعیت کو تقویت پہنچانے کے ساتھ گناہ کے کام میں مدد کرنا وغیرہ۔(مأخذہ تبویب بتصرف کثیر:۲/۵۵۶)

مفتی محمود گنگوہیؒ لکھتے ہیں:

کفار کے مذہبی تہوار میں شرکت کرنا یا ان کو کسی تہوار پر مبارک باد دینا جائز نہیں۔

(فتاویٰ محمودیہ، ج:۲۴، ص:۴۲۴)

مزید یہ کہ کافروں کے تہواروں میں ضیاع وقت، ضیاع مال، ایذاء مسلم، حق تلفی، بدنظری، سیٹی وتالی بجانا، تصویر سازی، تصویر بینی، موسیقی، بے پردگی اور آتش بازی جیسے مستقل گناہ پائے جاتے ہیں۔ مال ووقت کا ضیاع اللہ کی نعمتوں کی ناقدری ہے، ایذاء مسلم اور دوسرے کی حق تلفی حقوق العباد میں بڑے گناہ کبیرہ ہیں، بدنظری کو آنکھوں کا زنا فرمایا گیا ہے، سیٹیاں اور تالیاں بجانا از روئے قرآن کفار کی عبادت ہے، تصویر ساز پر لعنت وارد ہے، جب کہ موسیقی کو نفاق کی بڑھوتری کا ذریعہ بتایا گیا ہے ان گناہوں سے آلودہ تہواروں میں شرکت متاع ایمان کی پامالی کا سبب ہے، لہٰذا مسلمان قوم کا مذہبی

فریضہ ہے کہ وہ خود کو بھی اس طوفان بلاخیز سے محفوظ رکھے اور معاشرے میں اس پر قدغن لگانے کے لیے اپنے مقدور بھر وسائل بروئے کار لائے، تاکہ آئندہ نسلوں کے ایمان کی حفاظت کا سامان کیا جا سکے۔

ملحوظہ: یہ فصل حضرت مولانا ادریس کاندہلویؒ کے سیرت مصطفیٰ جلد سوم، حضرت قاری طیبؒ کے اسلامی تہذیب وتمدن اور علامہ ابن تیمیہؒ کے اقتضاء الصراط المستقیم کے بعض مضامین کی تلخیص وتسہیل ہے۔ کچھ مقامات پر اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

☆☆☆

فصل چہارم

مغربی تہذیب.....نقد و تبصرہ

☆مغربی تہذیب کی اولین تباہی فطرت کے روحانی تقاضوں سے فرار ہے، اس تہذیب نے قلب و ذہن کو سکینت و طمانیت نہیں بخشی بلکہ اسے گندگی اور ناپاکی کی دہلیز پہ لا کھڑا کیا، فساد قلب و روح کے جو تباہ کن اور لازمی نتائج برآمد ہونے تھے وہ برآمد ہو کر رہے، مغربی تہذیب بے چینی و اضطراب سے چھٹکارا نہ پا سکی، اس کی سرشت اور طینت بداخلاقی کا منبع اور اس کی روح ناپاکی کا ثمر بن گئی اور اس تہذیب سے قلب سلیم کی دولت چھن گئی۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا:

؎ فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس کی مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف

☆مغربی تہذیب نے حکومتی وسعت تو حاصل کر لی، مادی ترقیات کے دریا بہا دیئے، ٹیکنالوجی کے انتہاؤں کو چھو لیا، لیکن مادیت کے بتکدے میں ایسے بت تراش دیئے جن کے سامنے صنم خانہ آذری ہیچ ہے، اس نے لات و عُزیٰ کی جگہ مادہ و مال کی وہ فتنہ سامانیاں بکھیریں کہ انسان انہی کو خدا اور حاجت روا سمجھ بیٹھا، باوجود مادی پرواز کے یہ تہذیب امن و آشتی سے خالی رہی، اس کے رویے نے انسانیت کی تباہی اور نوع بشری کی ہلاکت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اس تہذیب میں عقل تو پروان چڑھی، لیکن محبت و انسانی جذبات اسی حساب سے مرجھاتے اور دم توڑتے رہے۔

☆اس کی معیشت نے ''انسانیت'' کو چوس کر رکھ دیا، اس کی تجارت میں ایک کا نفع اور لاکھوں کی موت پوشیدہ ہے اور اس کے علم و حکمت اور حکومت و سیاست کے پیش کردہ نظام محض خالی خول ہیں، اس تہذیب کے سربراہ بنی آدم کا خون چوستے ہیں اور میڈیا پر آ کر مساوات اور اجتماعی عدالت کی تعلیم

دیتے ہیں جبکہ بے کاری، عریانی، شراب خوری اس تہذیب کی خصوصیات ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا:

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
رعنائی تعمیر میں ، رونق میں ، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات
یہ علم ، یہ حکمت ، یہ تدبر ، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات؟
وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

☆اس تہذیب نے آزادی نسواں کا نعرہ لگایا اور اسکی آڑ میں صنف نازک کو ہوسنا کی اور بہیمیت کی زنجیروں میں جکڑ کر قید کر لیا، اب مغربی تہذیب میں سب سے ارزاں اور مظلوم ''صنف نازک'' ہے۔

☆اس کا نظام تعلیم روح کے تقاضوں سے نا آشنا و نابلد ہے، وہ انسان کو کام کی مشین تو بناتا ہے لیکن ''معراج انسانیت'' نہیں دکھاتا۔ بلکہ تعلیم بھی طبقاتی ہے جس میں صلاحیتیں پنپنے کی جگہ مرجھاتی ہیں، اس کی سیاست افراد کو تولنے کے بجائے گنتی ہے اور اس کی عدالت وقضا خود جرم کی پرورش و پرداخت کرتی ہے۔ غرض تہذیب مغرب اپنے تمام تر سیاسی، تعلیمی، عدالتی، معاشی، معاشرتی، تمدنی اور اخلاقی نظاموں میں اسلامی تہذیب و تمدن کے سامنے صفر ہے۔

علامہ ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

اسلامی تمدن میں عبادات کا پورا نظام طہارت سے مربوط ہے اور مغربی تمدن زیادہ سے زیادہ نظافت کے مفہوم سے آشنا ہے، اسلامی تمدن عفت نظر، عفت قلب اور عفت خیال کا قائل اور داعی ہے مغربی تمدن صرف قانونی اور زیادہ سے زیادہ عرفی حدود کا احترام کرتا ہے اور عرف، ماحول اور متعلق فریق کو اس پر اعتراض نہ ہو تو اس کے نزدیک کوئی فعل غیر مستحسن اور غیر عفیفانہ نہیں، اسلامی تمدن حجاب اور تستر کا حامی ہے، جب کہ مغربی تمدن حجاب و تستر کے ابتدائی حدود و مفہوم سے بھی نا آشنا ہو چکا ہے، اسلامی تمدن مرد و زن کے آزادانہ اختلاط کا مخالف ہے اور اس کو معاشرہ کے لیے مضر اور بہت سی خرابیوں کا موجب سمجھتا ہے، مغربی تمدن اسے زندگی کی بنیاد اور ایک حقیقت تصور کرتا ہے۔

(دستور حیات، ص:۲۰۹)

مسلمان قوم تہذیب مغرب میں کیسے اپنا تشخص اور تمدن بچا کر رکھ سکتی ہے؟ مغرب اس تہذیب کو مسلط کرنے کے لیے پوری طرح سرگرم عمل ہے، مسلمان قوم کے لیے ضروری ہے کہ بحیثیت قوم اس طوفان کے سامنے بند باندھنے کے لیے آگے بڑھیں، ورنہ ہمارا حال وہ ہوگا جس کا نقشہ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

کسی قوم کو اس مخصوص تہذیب و تمدن سے الگ کر دینا جو اس کے دین و شریعت کے سایہ میں پروان چڑھا ہے، اور مخصوص دینی ماحول میں اس کا نشو و نما ہوا ہے، اسے کارزار حیات سے الگ اور عقیدہ و عبادت اور دینی رسوم تک محدود کر دینے اور اس کے حال کو اس کے ماضی سے کاٹ دینے کے مرادف ہے، اس طرح وہ تدریجی طور پر اپنے بنیادی عقائد اور مسلک حیات سے بھی الگ ہو جاتی ہے، ذہنی و تہذیبی ارتداد کے راستہ پر چل پڑتی ہے، اس میں وہی معاشرتی انارکی، خاندانی شیرازہ کی پراگندگی اور اخلاقی جذام رونما ہوتا ہے، مے نوشی اور مسکرات کا آزادانہ استعمال شروع ہو جاتا ہے جو مغرب میں اپنے شباب پر ہے اور جس کا مشاہدہ آنکھ بند کر کے مغرب کی تقلید کرنے والے متعدد اسلامی ملکوں میں بھی ہو رہا ہے۔ (دستور حیات، ص:۲۱۱)

انشاء اللہ اب اگلے باب میں ان رسوم، تہواروں اور امتیازات کا ذکر کیا جاتا ہے جو مغرب اپنی تہذیب کو رواج دینے کے لیے ہم پر مسلط کر رہا ہے۔

باب دوم

غیر اسلامی تہوار و امتیازات اور ان کے اثرات

فصل اول: مختلف تہواروں پر اجمالی نظر

فصل دوم: نیو ائیر نائٹ..... بداعمالیوں کی سیاہ رات

فصل سوم: ویلنٹائن ڈے.....تاریخ کیا کہتی ہے؟

فصل چہارم: بسنت.....ایک خونی تہوار

فصل پنجم: اپریل فول ڈے.....ایک قبیح رسم

فصل ششم: میراتھن ریس.....تاریخ، ارتقاء، اثرات

فصل ہفتم: کرسمس ڈے.....اور اس کے منفی اثرات

فصل ہشتم: عیسوی تقویم.....تاریخ پر دہ اٹھاتی ہے!

فصل نہم: کرکٹ.....ایک نشہ، ایک طوفان

فصل دہم: اسلامی تہذیب اغیار کے نشانے پر

فصل اول

مختلف تہذیبوں کے تہواروں پر ایک اجمالی نظر

☆قدیم رومی ،ایرانی ،چینی اور فرانسیسی تہذیبوں میں چھوٹے بڑے سینکڑوں تہوار رائج تھے، قاموس مذہب واخلاق کے مقالہ نگار لکھتے ہیں:

قبائل میں غذا کی فراہمی کی بڑی اہمیت رہی ہے۔ بونے، کاٹنے اور شکار کے موسم ہمیشہ خوشی کے مواقع سمجھے گئے ہیں، جن میں سخت محنت کے بعد جشن منانا ایک فطری ضرورت سمجھی گئی یہ مواقع روحانی اثرات سے پُر سمجھے جاتے تھے، ان میں دعوت ایک اہم جزء ہوا کرتی تھی، گویا یہ سمجھا جاتا تھا کہ انسان دعوتوں میں دیوتاؤں کو شریک کر رہا ہے، اس کے علاوہ کئی اور مواقع بھی اسی قسم کے تہواروں کے لیے مخصوص کیے جاتے تھے، مثلاً نئے چاند کا دکھائی دینا، یا مختلف دیوتاؤں سے متعلق تہوار..... عام طور پر ان مواقع پر ناچ گانے کے ذریعے خوشی کا اظہار کیا جاتا تھا۔

قدیم قبائل میں مختلف دیوتاؤں کے نام پر تہوار منانے کی رسم ہمیشہ پائی جاتی رہی ہے جس میں دعوت ایک لازمی جزء ہوا کرتی تھی، بڑے مذاہب میں بھی دیوتاؤں یا ان سے تعلق رکھنے والے مواقع پر تہوار اور دعوت کا رواج رہا ہے، گو اس طرح دیوتاؤں کی عزت افزائی اور ان سے اظہارِ تواضع کیا جاتا رہا ہے۔ (اسلام اور غیر اسلامی تہذیب، ص:۷۸)

☆تمام ہندو تہوار مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا ذکر بھی مذہبی کتابوں میں ملتا ہے، اس میں دیوتا کے سامنے نذر پیش کرنے یا اس سے متعلق کسی رسم کو پورا کرنے کے سلسلے میں زیادہ تہوار منائے جاتے ہیں، عوامی تہواروں میں بھی دو جزء ہوتے تھے، ایک دعوت، دوسرا پوجا۔

پرانے موسمی تہواروں میں ''پورنماشی'' کی خاص اہمیت ہے، نہ صرف یہ کہ وہ بہت قدیم تہوار ہے، بلکہ قدیم ترین بھی ہے، بدھسٹ بھی اس کو (vpasatha) کے نام سے مناتے تھے، اس کا ایک جزء نذر اور پوجا بھی تھا، موسمی تہواروں میں ہر چوتھے مہینے ایک تہوار ہوتا تھا، ایک جاڑے کے ختم پر، دوسرا

موسم بہار کے شروع میں، تیسرا برسات کے آغاز پر، ان سب میں کسی نہ کسی دیوتا کی پوجا ہوتی اور بکرا یا بھیڑ قربان ہوتی، بعض تہواروں کا دریاؤں اور گھاٹوں سے تعلق رہا ہے، جو یاتروں کے اُشنان اور اجتماع کے مواقع بن جاتے تھے، پرانی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مواقع اجتماع سینکڑوں تھے، جن میں لوگ دیوتاؤں کو نذر پیش کرتے تھے۔ (اسلام اور غیر اسلامی تہذیب، ص: ۷۸)

ہندوؤں کے چند دیگر مشہور تہوار مندرجہ ذیل ہیں:

دسہرا: تاریخ ہندی کے اعتبار سے یہ ساتواں مہینہ ''کنوار'' ہے، اسے ''اسوج'' بھی کہا جاتا ہے، اس مہینہ کی دسویں تاریخ کو راجہ رام چندر جی نے راون پر فتح پائی تھی، اس لئے ہندو بنیے اس دن کو بطور یادگار مناتے ہیں۔

بیساکھی: ۵۷ قبل مسیح گجرات کاٹھیاوار میں ہندی سال (جسے بسنت سال بھی کہا جاتا تھا) رائج تھا، اس دوران گجرات پر گپت خاندان کے مشہور بادشاہ راجہ چندر گپت بکر ماجیت نے حملہ کیا اور گجرات کو فتح کر لیا، ہندوؤں نے راجہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی تقویم کو اس فتح کی طرف منسوب کر دیا اور ہندی سال کا نام بکر سنمت رکھ دیا۔ چونکہ بکر ماجیت نے گجرات پر بیساکھ میں فتح پائی تھی، اس لئے ہندو یکم بیساکھ کو تہوار مناتے ہیں، یکم بیساکھ عموماً ۱۳ اپریل کو ہوتی ہے۔ راقم نے صوبہ خیبر پختونخواہ کے بعض علاقوں کے اوباش فطرت لوگوں کو یہ تہوار مناتے ہوئے دیکھا ہے، بیساکھ کے آغاز میں دور دراز پہاڑیوں کے دامن میں میلے لگائے جاتے ہیں جہاں جوا اور شراب بالکل عام ہوتی ہے۔

دیوالی: ہندو راجہ رام چندر کے چھوٹے بھائی کا نام لکشمن تھا، لکشمن کی بیوی لکشمی کہلاتی تھی، لکشمن نے اپنے بھائی کے ساتھ زندگی کے ہر موڑ پر مثالی وفاداری کا مظاہرہ کیا تھا، حتیٰ کہ ایک بن باس (بے آب و گیاہ جنگل) میں بھی راجہ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ لکشمن کی بیوی لکشمی کی تاریخ وفات یا تاریخ ولادت ۲۶ اکتوبر ہے، ہندو انہی دنوں دیپ جلاتے ہیں، چراغاں کرتے ہیں اور لکشمی کی پوجا کرتے ہیں، جسے دیوالی تہوار کہتے ہیں۔

بعض مؤرخین کے ہاں ہندو راجہ رام چندر جی ۱۴ سال جلاوطن رہے اور نومبر کے اوائل میں واپس لوٹے، ہندو ہر سال انہی ایام میں خوشی کا دن مناتے ہیں، جسے دیوالی تہوار کہا جاتا ہے۔

ہولی: ہولی یہ مارچ کے مہینہ میں بہار کی آمد پر منایا جاتا ہے، اس میں دیوتاؤں کے جلوس نکالتے تھے اور خوشی کے اظہار کا موقع سمجھا جاتا تھا، مذہبی قانون اس تہوار میں ضرورت سے زیادہ چھوٹ دیتا ہے، ناچ گانا اور ایک دوسرے پر رنگ چھڑکنا اس کے اجزاء ہیں۔

جنم اشٹمی: ہندو راجہ کرشن جی کی ولادت بھادوں کی آٹھویں تاریخ یعنی ۲۲ اگست کو ہوئی تھی، ہندو اس دن بھی جشن اور خوشی مناتے ہیں، اس تہوار کو جنم اشٹمی کہتے ہیں۔ (جریدہ عالم، ص: ۱۱۸ تا ۱۲۰)

☆ اسی خطے میں ''بدھ مت'' کے تہوار بھی اپنا وجود اور اثر رکھتے ہیں۔

بدھسٹوں کے ہاں ۱۴ جون کو کاسون نامی تہوار منایا جاتا ہے، بدھ مت اسے مہاتما گوتم بدھ کی پیدائش کا دن سمجھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ گوتم بدھ کو ایک بڑھ کے درخت کے نیچے روشنی ملی تھی، اس لیے یہ لوگ بڑھ کے درختوں کو اس دن اہتمام سے پانی دیتے ہیں۔

ٹھوبو نامی تہوار بدھ مت کے پیروکار مئی کے مہینے میں مناتے ہیں، ان کے مطابق یہ تہوار اُن ارواح کی یاد میں منایا جاتا ہے جو بارش اور اچھا موسم لاتی ہیں، ان ارواح کے نام پر قربانی دی جاتی ہے اور ایک مقدس کھمبا بھی گاڑا جاتا ہے۔

گوتم بدھ کے پیروکار مارچ کے آخری تین دنوں میں تھنگیاں تقریب مناتے ہیں، ان تین دنوں میں لوگ ایک دوسرے پر پانی چھڑکتے اور ڈالتے ہیں، لوگ بڑے بڑے برتنوں میں پانی بھرتے ہیں، لڑکیاں قطار در قطار خوبصورت لباس زیب تن کر کے بیٹھتی ہیں، مرد آ کر ان پر پانی پھینکتے ہیں اور عورتیں مردوں پر، یوں ایک مقابلہ بازی شروع ہو جاتی ہے، لوگ آمد و رفت کے دوران بھی یہ شغل جاری رکھتے ہیں، اسے پانی کا میلہ بھی کہا جاتا ہے۔

گوتم بدھ کے پیروکار تھڈنگیونٹ نامی تہوار نومبر میں تین دن تک مناتے ہیں، یہ لوگ ایک اختراعی روایت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ گوتم بدھ کی پیدائش کے بعد اس کی ماں مر گئی تھی، گوتم بدھ اپنی ماں کو بدھ مت مذہب کی تبلیغ کرنے کے لئے آسمان پر گیا اور وہاں چلہ کاٹا، جب دوبارہ واپس آیا تو مریدوں نے چراغاں کر کے اس کا استقبال کیا تھا، اسی خوشی میں یہ تہوار منایا جاتا ہے جسے تھڈنگیونٹ کہا جاتا ہے، اس تہوار میں لوگ گھروں اور پگوڈاؤں میں چراغاں کرتے ہیں، بعض مؤرخین کے مطابق

تہوار کے اصل دن ماہ اکتوبر میں ہیں۔(جریدہ عالم،ص:۱۱۸تا۱۲۰)

☆قدیم ترین قبائل میں جزائر فیجی کے جنگلی قبائل اپنے نئے سردار کی رسم تاج پوشی اس طرح مناتے ہیں کہ اس دن دنیا کی نئی تخلیق ہوئی ہے، فصل کاٹتے وقت عام دعوت میں مردہ روحوں کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے اور انہیں ناچ گا کر خوش کیا جاتا ہے، اس طرح دوسرے قدیم قبائل میں فصل کی بوائی، کٹائی، شکار کا موسم شروع ہونے، درختوں پر پھل آنے کے وقت مختلف تہواروں کا رواج ہے، جن کا بڑا عنصر مذہبی تقریبات ہیں۔

☆قدیم بابلی تہذیب میں مذہب کا سب سے بڑا تہوار آغاز سال تھا، جس میں بادشاہ وقت کی شادی (ISHTAR) دیوی سے کر کے دنیا پر دیوتاؤں کی حکومت کا شگون لیا جاتا تھا۔

☆قدیم مصری مذہب میں تہواروں کے موقع پر پجاریوں کو اہم تقریبات ادا کرنی ہوتی تھیں، جن میں دیوتاؤں کو کھلانا، ان کی آرائش اور ان کے جلوس شامل تھے، ان کا سب سے بڑا تہوار اوپٹ (OPET) کہلاتا تھا، جس میں عموماً دیوتا اومون (AOMON) مورتی کو کشتی میں سجا کر حکومت وقت لاقصر (LUXOR) سے کرنک (KRNAK) لے جایا جاتا تھا۔

☆قدیم یونانی مذہب میں تہواروں کا تعلق زراعت سے تھا اور ان کا خاص جزء دیوتاؤں کی پوجا، دعوت عام، ناچ گانے اور کھیل تماشے تھے۔

☆قدیم رومی مذہب کا بھی تقریباً یہی حال تھا۔ مارس (MARS) کا تہوار جنگ کے دیوتا کی یاد میں منایا جاتا اور ساٹرن (saturn) کا تہوار زیادہ تر بت پرستی کی یادگار تھے، لیکن ہر شہری کی وفاداری کا تقاضا یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ ان میں پوری طرح حصہ لے۔

☆قدیم ایران کے دو تہواروں میں سے ایک نوروز تھا جو سال نو کی آمد پر منایا جاتا اور دوسرا مہرجان جو زرتشت کی پیدائش کے موقع پر آتا۔ اس کے علاوہ چھ موسمی تہوار جو آسمانوں، زمین، درخت، جانور اور انسان کی تخلیق سے متعلق تھے، ان میں سے ہر تہوار ۵ دن تک منایا جاتا تھا۔

(اسلام اور غیر اسلامی تہذیب، ص:۸۰،۸۱)

☆عیسائیوں کے ہاں بھی اکثر تہواروں کا پس منظر مذہبی رہا، لیکن رومی تہذیب کے بت پرستانہ

اثرات سے آلودہ.....جس کا ذکر ''کرسمس'' سے متعلق ایک فصل میں کیا جائے گا۔

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام یہودیوں کے ہاتھوں پھانسی ہوئے اور پھر انہیں دوبارہ زندہ کیا گیا، اس دن کو عیسائی لوگ بطور یادگار اور خوشی کے مناتے ہیں، یہ ۲۱ مارچ یا اس کے بعد والے اتوار کو منایا جاتا ہے، اور عیسائی اسے ایسٹر کے نام سے یاد کرتے ہیں، بعض روایتوں کے مطابق اس تہوار کا اصل دن ۲۳ اپریل یا اس کے بعد والا اتوار ہے، مسیحی ۲۱ اپریل کو گڈ فرائی ڈے بھی مناتے ہیں اور عام تعطیل کا اہتمام کرتے ہیں۔ (جریدہ عالم، ص: ۱۱۸ تا ۱۲۰)

عیسائیوں کی قدیم ثقافت میں برتھ ڈے یا سالگرہ بھی شامل ہے جسے آج کل مسلمان بھی بڑے زور وشور اور اہتمام سے مناتے ہیں، عیسائی عقیدے کے مطابق انسان کے پیدائشی دن میں بدروحیں حاضر ہوتی ہیں، لہٰذا کھانے پکا کر اور خوب ہلا گلا کر کے انہیں بزعم خود بھگایا جاتا ہے، رفتہ رفتہ اس رسم میں تحفے پیش کرنے، مہمان بلانے، پھول بوٹے سجانے، کیک کاٹنے اور شمع روشن کرنے کا رواج بھی چل پڑا، شمع روشن کرنے کا پس منظر بھی ایک مشرکانہ عقیدے سے وابستہ ہے کہ اس کی وجہ سے آسمان کا دیوتا برکت نازل کرتا ہے، پھر شمعوں کو ایک سانس سے بجھانے کا طریقہ شروع ہوا، اس عقیدے کے ساتھ کہ یہ اچھی قسمت کا سبب بنتا ہے۔ (اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام، ص: ۷۳)

یہ مختلف تہذیبوں کے بعض تہواروں اور رسوم پر اجمالی نظر تھی، اس باب میں انشاء اللہ بعض دیگر مشہور تہواروں اور اُن کے ضمن میں ان کی تہذیبوں کا تذکرہ آئے گا۔

☆☆☆

فصل دوم

نیو ایئر نائٹ..... بداعمالیوں کی سیاہ رات

ناسورِ پستی کی بنیادی وجہ

جب کسی فرد کی سوچ اور فکر کا معیار پست ہو جائے تو پستی کا ناسور پوری قوم پر اثر انداز ہو جاتا ہے اور یوں رفتہ رفتہ ساری قوم اس ریلے میں بہہ پڑتی ہے، یہی صورتحال اکثر ایشیائی اور افریقی ممالک کی ہے، جہاں کچھ عناصر ایمان بالمغرب کی پست سوچ اختیار کرنے میں اہل مغرب سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں اور انتہائی ٹھوس منصوبہ بندی کے ساتھ مغربی تہذیب کا زہر ملک و ملت کی رگوں میں منتقل کر رہے ہیں۔

اس کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ ان ممالک پر عرصہ دراز تک مغار بہ کا تسلط رہا اور وہ یہاں سے مذاکرات کی جنگ ہار کر گئے ہیں اور یہ بات تاریخ سے ثابت ہے، کہ جس قوم نے بھی آزدی بزور شمشیر حاصل کی ہے تو دشمن اپنی تہذیب و ثقافت سمیت بوریا بستر گول کر کے وہاں سے نکلا ہے، لیکن اگر دشمن نے وہ خطہ مذاکرات کے نتیجے میں چھوڑا ہو تو اس کی تہذیب کے زہریلے اثرات کبھی ختم نہیں ہوتے، چونکہ ہمیں بھی آزادی کا پروانہ میدان جنگ کی بجائے مذاکرات کی میز پر ملا ہے، اس لیے آج تک چند مخصوص عناصر اپنی اقدار و روایات کے بارے میں احساس کمتری کا شکار ہیں اور مغرب کی طرف سے آنے والے ہوا کے ہر جھونکے پر خزاں رسیدہ پتوں کی طرح سجدہ ریز ہونے لگتے ہیں، جب بھی سال نو کی آمد ہو، مغرب کے آلہ کار مغربی تہذیب و ثقافت کی بھٹی کو ''نیو ایئر ڈے'' اور ''نیو ایئر نائٹ'' کے ایندھن سے گرمانے میں مصروف ہو جاتے ہیں اور کراچی، لاہور سمیت تمام بڑے شہروں میں اس قبیح رسم کو منانے کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو جاتی ہیں۔

''نیو ایئر ڈے'' کی ابتدا کہاں سے اور کب ہوئی؟ اس کا ابتدائی تصور کیا تھا؟ اس کے ساتھ ''نیو ایئر نائٹ'' کو بطور رسم منانا کب شروع کیا گیا؟ اور آج ہمارے معاشرے پر اس کے پڑنے والے

مضر اور خطرناک اثرات کیا ہیں؟ آیئے! تاریخ کے دامن میں ان سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مختلف اقوام میں ''نیوایئر ڈے'' کی ابتدائی تقریبات

''نیوایئر ڈے'' کی تاریخ خاصی پرانی ہے، مؤرخین کا کہنا ہے کہ نئے سال کے آغاز پر باقاعدہ خوشی کی تقریبات منانے کا رواج سب سے پہلے ۲۰۰۰ ق م کو شروع ہوا، اس تقریب کو سب سے پہلے میسوپوٹامیہ (Mesopotamia) کے مقام پر منعقد کیا گیا تھا، ان تقریبات کا بنیادی تصور مذہبی تھا، یعنی اس دن خوشی منانے کے ساتھ ساتھ کھانا وغیرہ پکایا جاتا اور ثواب و تقرب کی نیت سے غریبوں میں تقسیم کیا جاتا، پھر رفتہ رفتہ اس رسم میں دیگر چیزوں کا اضافہ شروع ہوا، لوگ جو چاول پکایا کرتے تھے اس کے بھوسے سے رسیاں بٹ لیتے تھے، ان رسیوں پر ذبیحوں کا خون ملا جاتا تھا اور پھر انہیں شیطانی اثرات سے حفاظت کے لیے گھروں کے دروازوں پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد دم شدہ پانی کے چھڑکنے کا رواج شروع ہوا اور دھیرے دھیرے یہ کھیل کی شکل اختیار کر گیا، یعنی لوگ جمع ہو کر کھیل کود میں دل بہلاتے، ایک دوسرے کو تحائف پیش کرتے اور یہی دم شدہ پانی ایک دوسرے پر چھڑکتے، لوگ یہ پانی گھروں میں بھی چھڑکتے تھے اور گھروں کو ترش نارنگی اور مختلف پودوں سے سجاتے تھے، ان کا خیال تھا کہ یہ سب کچھ اچھی قسمت، خوشحالی اور درازی عمر کیلئے مفید ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا اس تقریب کے آغاز کی طرف اجمالی اشارہ کرتا ہے:

The earliest known record of a New Year's festival dates from about 2000 BC in Mesopotamia, where the New Year (Akitu) commenced with the new moon nearest the spring equinoq (mid-March; Babylonia) or nearest the autumn quinox (mid-september; Assyria). (birtannica,vol:1,pg:645)

ترجمہ: ''سال نو کی تقریبات کی تاریخ میں سب سے پہلے جو تقریب منائی جاتی تھی، ۲۰۰۰ء ق م میں میسوپوٹامیہ کا مقام ہے، جہاں نیا سال ''اکیتو'' جو کہ موسم بہار کے اعتدال شمسی کے قریب وسطِ مارچ

یا موسم خزاں کے اعتدال شمسی کے قریب وسط ستمبر میں نئے چاند کے ساتھ شروع ہوتا تھا''۔

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے مطابق یونانی اور مصری ۵۰۰ ق م سے نیو ایئر ڈے منانا شروع ہوئے، قدیم رومی کیلنڈر میں سال کا آغاز مارچ سے ہوتا تھا، لہٰذا یہ لوگ فروری کے آخری ہفتے میں نئے سال کی تقریب منانے کی تیاریاں شروع کر دیتے تھے، لیکن ۱۵۳ ق م کے بعد سال نو کے آغاز کا نقطہ سرکاری سطح پر یکم جنوری مقرر کیا گیا، اس طرح یہ تقریب ہلچل کا شکار ہوگئی، لیکن جلد ہی جولین نے ایک نیا کیلنڈر تیار کیا اور اسے اتنی شہرت ملی کہ سرکاری سطح پر اس کا نفاذ ہو گیا، غالباً اس میں سال نو کا آغاز ماہِ اپریل سے ہوا کرتا تھا، جولین کیلنڈر کی ابتداء ۴۶ ق م میں بتائی جاتی ہے، اس مسلسل ردو بدل میں حکومتی اور عوامی حلقے باہمی کشمکش اور تصادم کا شکار رہے جس کی وجہ سے ''نیو ایئر ڈے'' کی تقریب بھی مختلف تواریخ میں گھومتی رہی۔

(انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا، ج:۱، ص:۶۴۵ مادہ نیو ائیر ڈے، مع اضافہ تبصرہ)

یہودی مذہب کے کیلنڈر کے مطابق سال نو کا آغاز ٹیشری (Tishri) مہینے کے پہلے دن سے ہوتا تھا اس مہینے کی ابتداء عیسوی کیلنڈر کے ۶ ستمبر سے ۵ اکتوبر کے درمیان کسی تاریخ سے ہوا کرتی تھی اور یہی نیو ایئر ڈے کی تقریب کا دن تھا۔

قرونِ وسطی میں اکثر یورپی نصاریٰ نے ۲۵ مارچ یعنی (Annucalion day) کو سال کا آغاز قرار دیا۔ ان کے مطابق یہ وہ دن تھا جب حضرت مریم علیہا السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری سنائی گئی تھی، اگرچہ ''نارمن'' کی فتوحات سے قبل انگریزوں کا سال ۲۵ دسمبر سے شروع ہوا کرتا تھا، اس کے بعد فاتح ولیم (William) نے پھر سے اعلان کیا کہ سال کا آغاز یکم جنوری سے ہوگا، لیکن برطانوی نہ مانے اور انہوں نے دیگر یورپی نصاریٰ کے ساتھ ۲۵ مارچ کو ''نیو ائیر ڈے'' منانا شروع کر دیا، اسی طرح یہ سلسلہ پختہ ہو گیا اور مسلسل چلتا رہا یہاں تک کہ ۱۵۸۲ء کو گریگوری کیلنڈر ایجاد ہوا جسے موجودہ عیسوی کیلنڈر کہا جاتا ہے۔ پوپ گریگوری نے سابقہ تمام کیلنڈروں کو غلط قرار دے دیا اور ''نیو ایئر ڈے'' منانے کے لیے یکم جنوری کی تاریخ کا اعلان کر دیا۔ گریگوری کے اعلان پر روم کیتھولک چرچ سے وابستہ ممالک مثلاً فرانس اور اس کی ریاستوں نے فوراً ہی اسے قبول کر لیا اور یکم

جنوری کو حکومتی سرپرستی میں باقاعدہ ''نیوایئر ڈے'' کی تقریب کا اہتمام ہونے لگا، ان تقریبات میں پہلی دفعہ شاہی عیش و عشرت کا غلبہ ظاہر ہوا، چند سال تک ان تقریبات میں پرانے اثرات کچھ نہ کچھ برقرار رہے، جسے مذہبی رنگ کہا جا سکتا ہے، لیکن جلد ہی اسے بادشاہوں، وزیروں اور امیروں کی عیاشی نے فحاشی کا تہوار بنا دیا۔ فحاشی کا یہ اثر خاص حلقوں سے عوام تک سرایت کر آیا اور رفتہ رفتہ ''نیوائیر ڈے'' ان تمام مخرب اخلاق افعال کا مجموعہ بن گیا جو یورپی ممالک کا طرہ امتیاز ہیں۔

اس کیلنڈر کے مطابق یکم جنوری کو باقاعدہ.....

☆ اسکاٹ لینڈ (Scotland) میں ۱۶۶۰ء کو ''نیوائیر ڈے'' شروع کیا گیا۔

☆ ڈنمارک نے تقریباً ۱۷۰۰ء میں اس قبیح رسم کا آغاز گریگوری کیلنڈر تسلیم کرنے کے ساتھ کیا۔

☆ برطانیہ کے ہاں ۱۷۵۲ء کو اس نے باقاعدہ رواج پکڑا۔

☆ روس نے ۱۹۱۸ء میں گریگوری کیلنڈر کے سرکاری نفاذ کے ساتھ ''نیوائیر ڈے'' منانے کا اعلان کیا۔ (انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، ج:۱، ص:۵۴۶)

ان تمام ممالک میں ''نیوائیر ڈے'' کے اس جدید آغاز پر وہ مذہبی تصورات دم توڑ گئے جو کبھی ''نیوائیر ڈے'' کا لازمی حصہ ہوا کرتے تھے اور آج ''نیوائیر ڈے'' کے آغاز کے چار ہزار سال بعد ان ممالک میں اس دن زنا، ہم جنس پرستی، جوا اور شراب نوشی لازمی اور ضروری سمجھے جاتے ہیں اور ان حیوانی اور شہوانی افعال کے بغیر ''نیوائیر ڈے'' کو نامکمل قرار دیا جاتا ہے۔

برٹانیکا کے مطابق ہندوستان سمیت جنوبی ایشیا کے اکثر ممالک میں ان تقریبات کے اندر قدیم بدھ مت مذہب کے آثار نمایاں رہے ہیں، تھائی لینڈ میں تقاریب پر یہی اثر پایا جاتا تھا، بدھ مت راہب اس دن بھوتوں کو بلاتے تھے اور لوگ ان راہبوں کو تحائف پیش کرتے تھے، یہ تحفے معبودانِ باطلہ کے ناموں پر ہوتے تھے، اس دن لوگ باہم ملتے وقت ایک دوسرے پر پانی چھڑکتے تھے اور جوا جو کہ عام طور پر ناپسند کیا جاتا تھا اس تین روزہ تقریب میں کھلی چھوٹ دے کر کھیلا جاتا تھا۔

(انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، ج:۱، ص:۵۴۶)

دیگر ممالک کی طرح چین میں بھی ان تقریبات پر خاص توجہ دی جاتی ہے اور ''نیوائیر ڈے'' سے

لے کر ایک مہینے تک سال نو کا جشن منایا جاتا ہے، اس میں چند مذہبی عملیات بھی ادا کیے جاتے ہیں جسے چینی شیطانوں کو بھگانے کا عمل قرار دیتے ہیں، اس کے علاوہ تھیٹر کی دیگر کارکردگیاں مثلاً کھیل اور ڈرامے وغیرہ دکھائے جاتے ہیں، ان تماشوں کے ساتھ ساتھ چینی ان ایام میں خاص طور پر آتش دان، دولت اور اپنے آباؤ اجداد کی پرستش کرتے ہیں۔

جاپان میں ''نیوائیر ڈے'' مشہور ترین تقریب کے طور پر منایا جاتا ہے۔ جاپان کے اس تقریب کو اپنی زبان میں ''گان جٹ سو'' (Ganjitsu) کہتے ہیں، اسے ''شوگٹ سو'' (Shogatsu) کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ پہلا نام نئے سال کے آغاز کی طرف مشیر ہے اور دوسرا جاپانی زبان میں ''اصلی اور حقیقی دن'' کا معنی رکھتا ہے، غالباً یہ جاپانیوں کے اس عقیدے کی ترجمانی کرتا ہے کہ اچھی بری قسمتیں نئے سال کے شروع کے دنوں میں لکھی جاتی ہیں، ان دنوں کو آنے والے ایام کے نصیب اور قسمت کا نمائندہ کہا جاتا ہے۔

جاپانی اس دن گھروں کو خاص طور پر صاف کرتے ہیں، پھر خصوصی مہمانوں کو دعوت دی جاتی ہے اور باہم تحائف کا تبادلہ ہوتا ہے، جاپانی اپنے گھروں کے دروازوں اور داخل ہونے والے رستوں میں شمینا وا (Shimenawa) نامی مقدس رسی لٹکاتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ رسی لٹکانے کی وجہ سے شیطانوں کے اثرات دور ہو جاتے ہیں اور اچھی قسمت ملتی ہے، جاپانی اس دن دو مقدس کھانے موکی (Mochi) اور زونی (Zoni) تیار کرتے ہیں۔ پہلا کھانا چاول کے کیک کی شکل میں ہوتا ہے اور دوسرا سبزیوں اور موکی کا شوربہ ہوتا ہے۔ یہ کھانا اس دن آنے والے خاص مہمانوں کو پیش کیا جاتا ہے اور اسے مقدس ضیافت قرار دیا جاتا ہے، ان دنوں باہم مخلوط کھیل تماشے بھی ہوتے ہیں اور ہر طرح کی رنگ رلیاں بھی منائی جاتی ہیں، یہ تقریبات سات دن تک جاری رہتی ہیں اور ساتویں دن سجاوٹیں وغیرہ ختم کر دی جاتی ہیں۔ (انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، ج:۱، ص:۵۴۶)

مستند تاریخی شواہد کے تناظر میں اس قبیح رسم کا آغاز خالص مغربیوں کا اختراعی ہے، اہل مغرب کے ہاں اس کا آغاز بھی ایک مذہبی تقریب کی حیثیت سے ہوا تھا، لیکن جس طرح کرسمس ڈے اور ویلنٹائن ڈے جیسی رسومات آج فحاشی اور عریانی پھیلانے کا اہم ہتھیار بن چکی ہیں، نیوائیر ڈے بھی ان سے کم

نہیں۔

اور آج مذکورہ تمام ممالک میں اس دن زنا، ہم جنس پرستی، جوابازی، شراب نوشی اور مخلوط رقص و موسیقی جس اعلیٰ پیمانے پر ہوتی ہے اس کا حساب لگانا مشکل ہے۔ یہی وہ زہریلے عناصر ہیں، جنہوں نے مغربی معاشرے میں شرافت کی دھجیاں اڑا کر رکھ دی ہیں اور آج مغرب ٹھوس منصوبہ بندی کے ذریعے یہی زہر ہمارے پاکیزہ معاشرے کو تباہی و بربادی کے گڑھوں میں دھکیلنے کے لیے ہماری طرف منتقل کر رہا ہے، لہٰذا ہمیں خواب غفلت سے بیدار ہو کر ان مغربی رسومات کے تابوت میں آخری کیل ٹھوکنے کے لیے مثبت کردار ادا کرنا ہوگا، وگرنہ ان کا اٹھایا ہوا یہ طوفان ایک نہ ایک دن ہمارے معاشرے کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر رکھ دے گا۔

نیو ایئر نائٹ کا آغاز

یہ تو تھا نئے سال کے پہلے دن پر منائے جانے والی تقریبات کا تذکرہ، آج کل ہمیں جس نئی مصیبت کا سامنا ہے، وہ ہے رات کو منائی جانے والی تقریبات، عید الفطر کا چاند نظر آتے ہی لوگ روزوں کے اختتام پر رب العزت کا شکر یہ ادا کرنے کی بجائے بازاروں اور مارکیٹوں کا رخ کر لیتے ہیں، وہ رات جسے آنحضرت ﷺ نے ''لیلۃ الجائزہ'' یعنی انعام والی رات فرمایا ہے، بازاروں کے معصیت زدہ ماحول میں خرچ ہو جاتی ہے۔ بچے، جوان، عورتیں اور بوڑھے ایسے نکل آتے ہیں جیسے جیل سے خلاصی ملی ہو، دوسری طرف دکانداروں نے بھی موسیقی کا طوفان برپا کر رکھا ہوتا ہے، گویا عید الفطر کے چاند ہی کا انتظار تھا، غرض ساری رات گناہوں کے طوفان میں گزار دی جاتی ہے۔

اسی طرح نئے سال کے آغاز پر بھی ہونے لگا ہے، پہلے ''نیو ائیر ڈے'' کی لعنت تھی اور اب سال کے آخری دن یعنی ۳۱ دسمبر کو ہوٹل بک ہو جاتے ہیں، جہاں ڈانس پارٹیوں اور عیاشی و فحاشی کی محفلوں میں نئے سال کا استقبال ہوتا ہے دوسری طرف بازار ساری ساری رات کھلے رہتے ہیں، ان بازاروں میں مرد و زن کے مخلوط جمگھٹوں کا اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے، فارم ہاؤس اور پارک بھی اس رات ان جوڑوں سے اٹے پڑے ہوتے ہیں اور وہاں جو کچھ ہوتا ہے کسی ہوشمند کے لیے وہ پردہ خفا میں نہیں۔

نیوائیر ڈے کے ساتھ نیوائیر نائٹ کا زہر کب سے ملنا شروع ہوا، اس بارے میں مؤرخین کا کہنا ہے کہ انیسویں صدی کے اوائل میں برطانیہ رائل نیوی نے اپنے جہازوں پر ''نیوائیر نائٹ'' کا آغاز کیا، یہ آغاز اتفاقی تھا، مگر اہل مغرب کی مواظبت نے اسے مغربی ثقافت کا جزء لاینفک بنا دیا، برطانوی فوجی جب طویل ترین سمندری اسفار سے تنگ آ جاتے تو از راہِ دلچسپی مختلف قسم کی تقریبات منعقد کرتے اور اپنی بوریت کو رفع کرنے کا سامان پیدا کرتے، ان تقریبات میں جنسی تسکین اور تھکاوٹ دور کرنے کا تمام سامان موجود ہوتا تھا، باالفاظِ دیگر ان میں رقص وسرور اور شراب و کباب مرکزی حیثیت کے حامل تھے، برطانوی فوجی ان تقریبات کے لیے پہلے پہل سالگروں کے ایام، کرسمس ڈے اور معروف مذہبی تہواروں کے دن استعمال کرتے تھے، لیکن ان کی سفری مصروفیات میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے یہ دن ناکافی تھے، جب یہ تمام دن ختم ہو جاتے تو وہ بیٹھ کر سوچنے لگتے کہ کس طرح کوئی نیا موقع پیدا کیا جائے جو تقریب منعقد کرنے کا سبب بن جائے، وہ کوئی چھوٹا موٹا پروگرام منعقد کر لیتے، لیکن اس سے ان کی آتشِ شوق سرد نہ ہو پاتی، وہ اس تلاش میں تھے کہ کوئی ایسا ٹھوس موقع دریافت ہو جائے جس پر باقاعدہ تعطیل اور تقریب کا جواز فراہم ہو سکے، سوچتے سوچتے انہوں نے ''نیوائیر نائٹ'' کا انتخاب کر لیا اور پھر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔

یہ لوگ جہازوں پر محفل کا انعقاد کرتے، شراب و شباب کا دور چلتا، رقص و موسیقی کی مجلس سجائی جاتی، جب نشہ دماغ پر پوری طرح چڑھ جاتا، تو روشنیاں گل کر دی جاتیں، جام و صراحی باہم ٹکراتے اور ٹھیک بارہ بج کر ایک منٹ پر ایک دوسرے کو نئے سال کی مبارک باد پیش کی جاتی۔

رفتہ رفتہ یہ رسم ''رائل نیوی'' کے جہاز سے دیگر جہازوں پر منتقل ہوئی اور تمام لوگ اس کے حصار میں جکڑنا شروع ہو گئے، اس میں شہوانی چسکے کا سامان اس قدر تھا کہ جلد ہی یہ فوجی جہازوں سے خشکی پر منتقل ہو گئی اور نیوی کے اعلیٰ افسران نے اسے بطور تہوار منانا شروع کر دیا۔

سب سے پہلے اسے اسکاٹ لینڈ (Scotland) کے شہر ''ایناڈین'' کے ایک معروف ساحل پر منعقد کیا گیا، غالباً یہ ۱۹۱۰ء کی ''نیوائیر نائٹ'' تھی۔ اس پروگرام کی وقعت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ ماہ اکتوبر اور نومبر اس کی تیاری میں صرف ہوئے، نیوی کے اعلیٰ افسران اپنی بیگمات اور گرل

فرینڈز کے ساتھ ساحل پر جمع ہوئے، عام فوجیوں کے لیے فاحشہ عورتیں لانے کی کھلی اجازت دی گئی، ساری رات سمندر کے کنارے فحاشی اور عریانی کا وہ طوفان برپا رہا، جس نے سمندر کے خروش کو بھی ہیچ کر دیا، کھلے عام جوا کھیلا گیا، شراب اس کثرت سے پی گئی کہ صبح سویرے سورج کی تپش نے ریت کو گرما کر بیداری کا سبب پیدا کیا، رقص و سرور کی مجلس آدھی رات تک گرم رہی، ہر شخص کو اپنا جوڑا مہیا تھا، لہٰذا شراب و شباب کی آمیزش نے اس بے ہودہ رسم کو مزید ہوا دی اور اس سال کی یہ سیاہ رات یادگار بن گئی۔ (اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام، ص: ۶۳)

نیوائیر نائٹ کا دستور مغرب کے مادر پدر آزاد ماحول میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلا اور اس وقت دنیا کے تمام ممالک میں چھوٹے بڑے ساڑھے سات ہزار شہروں کے باسی اس کا اہتمام کرتے ہیں۔

''نیوائیر نائٹ'' موجودہ حالت

ان تقریبات میں سب سے بڑی تقریب جرمنی کے شہر برلن میں منعقد ہوتی ہے، جس میں پندرہ لاکھ سے زیادہ جوڑے شریک ہوتے ہیں۔ پہلے پہل ناچ گانا ہوتا ہے، پھر برف کی سلوں پر مخلوط رقص پیش کیا جاتا ہے اور جب شراب کا دور چلتا ہے تو روشنیاں گل کر دی جاتی ہیں، گھپ تاریکی میں بارہ بج کر ایک منٹ پر نئے سال کی مبارک باد کے ساتھ تاریک کھیل انجام پاتے ہیں اور مرد و زن کے درمیان وہ طوفان بدتمیزی برپا ہوتا ہے کہ الامان والحفیظ۔

اسی طرح کی تقریبات امریکہ کی ریاستوں میں بھی منعقد ہوتی ہیں۔ برطانیہ بھی اس رسم منانے میں کسی سے پیچھے نہیں، امریکہ و برطانیہ میں تو شراب کا استعمال تمام یورپی ممالک سے زیادہ ہے۔ اسی طرح فحاشی اور عریانی میں ان کا گراف بڑھا ہوا ہے، اس لیے ان کے ہاں ان تقریبات کا نشہ کچھ اور زیادہ سر چڑھ کر بولتا ہے، امریکہ اور برطانیہ کے لاکھوں جوڑے ان تقریبات میں شریک ہوتے ہیں اور غالباً اس دن ساری دنیا کے برابر ہوسنا کی صرف امریکہ میں ہوتی ہے، اسی طرح تمام تقریبات کے برابر شراب برطانیہ میں پی جاتی ہے، ان یورپی ممالک میں منعقدہ یہ تقریبات کئی ٹی وی چینلز پر بھی دکھائی جاتی ہیں، ظاہر ہے کہ ان میں ریکارڈ فحاشی اور عریانی ہوتی ہے، ہمارے ملک میں کیبل اور ڈش کے رسیا ان پروگراموں کو بڑے شوق سے دیکھتے ہیں، اس طرح یہ ناسور بالواسطہ ہمارے معاشرے

میں گھروں کے اندر تک پہنچ چکا ہے۔

''نیو ائیر ڈے'' کی پاکستان آمد

اس قبیح رسم نے ۱۹۸۰ء کے بعد مشرق کا رخ کیا، وگرنہ اس سے قبل مشرقی معاشرہ اس ناسور سے پاک تھا، مشرق کی رگوں میں سرایت کرتے کرتے یہ ۱۹۹۰ء کے بعد پاکستان میں آ پہنچی، ۱۹۹۲ء میں پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی کے ایک فائیو سٹار ہوٹل میں اس کا انعقاد ہوا، شاید اس سے قبل اس کا دائرہ چند افراد تک محدود تھا، جو اسے انفرادی طور پر مناتے تھے، لیکن اس دفعہ یہ مخصوص طبقہ اجتماعیت کے دھارے میں آ کر ہوٹل میں جمع ہوا، چند سالوں تک یہ اعلیٰ طبقوں میں پھیل گیا، یہ لوگ کسی ہوٹل میں جمع ہو جاتے، اس ہوٹل کے ہال پہلے سے بک کر لیے جاتے، اعلیٰ کھانے تیار کرنے کے آرڈر دے دیئے جاتے، اپنے ہم خیال لوگوں کو دعوتیں دے دی جاتیں، اعلیٰ قسم کی شراب منگوالی جاتی اور رقص و موسیقی کے لیے مشہور طوائفوں کو بلایا جاتا، یہاں رقص و شراب کی محفل سجائی جاتی اور یہ لوگ دو تین گھنٹے خرمستیوں میں گزار کر چھٹ جاتے، ان لوگوں کی دعوتوں پر بعض دیگر طبقات نے بھی ان تقریبات میں شرکت شروع کر دی، پہلے پہل یہ شرکت محض شرکت ہی تھی، لیکن کچھ عرصہ بعد خود انہوں نے اپنے ہاں بھی ان تقریبات کو منانا شروع کر دیا اور یہ زہر دھیرے دھیرے پاکستانی معاشرے میں پھیلنا شروع ہو گیا۔

پاکستان میں ''نیو ائیر نائٹ'' کی موجودہ صورتحال

یہ رسم رفتہ رفتہ زور پکڑتی گئی اور اب پاکستان کے تقریباً پندرہ بڑے شہروں میں اس کا باقاعدہ اہتمام ہوتا ہے جبکہ انفرادی طور پر منانے والے تو بے شمار ہیں۔

پاکستان کے جن بڑے ہوٹلوں میں ''نیو ائیر نائٹ'' کی تقریبات کا اہتمام ہوتا ہے وہاں جوڑے کی شرط لازمی ہے، لہٰذا اوباش لڑکے اور لڑکیاں ان مواقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں اور پوری فضاء کو مکدر کر دیتے ہیں، مجھے کراچی کے ایک باخبر صاحب نے بتایا کہ اس رات ان میں سے بعض تو ہوٹلوں کے باہر کھڑے ہو کر باقاعدہ معاملات طے کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جبکہ بعض ہوٹلوں کے

مالکان اپنی ملازماؤں کو ان مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ لڑکے اور لڑکی میں اکثر یہ طے پاتا ہے کہ سارا خرچہ لڑکا برداشت کرے گا، اس کے علاوہ جوڑا بننے پر بھی مخصوص رقم دے گا، وہ لڑکیاں چونکہ ہوٹل ہی سے متعلق ہوتی ہیں اس لیے لڑکوں سے مہنگی اشیاء کی فرمائش کر کے اپنے ہوٹل کے کاؤنٹر سیل میں اضافے کا سبب بنتی ہیں، یوں ایک خطیر رقم اس بے حیائی کی نذر ہو جاتی ہے اور ہوٹل والوں کی کمائی کا اچھا خاصا ذریعہ بن جاتا ہے۔

فحاشی اور عریانی کے ساتھ ساتھ ''نیوائیر نائٹ'' کا ایک اور نقصان دہ پہلو حادثات ہیں، جن ساحلوں اور ہوٹلوں میں یہ تقریبات منائی جاتی ہیں وہاں شراب کے نشے میں مخمور نوجوان لڑکیوں کی عصمت دری اور آبروریزی سے بھی نہیں کتراتے، یوں مخلوط اجتماعات کے سنگین ترین اور خوفناک نتائج سامنے آجاتے ہیں۔ کھیل کود اور رقص کے دوران بھی وہ ہلڑ بازی مچتی ہے کہ لڑائی تک نوبت پہنچ جاتی ہے، اس رات چونکہ آتش بازی اور فائرنگ کا قبیح رواج بھی چل پڑا ہے، جس سے لوگوں کے جلنے اور ہلاک ہونے کے واقعات کثرت سے رونما ہو رہے ہیں۔ کئی دفعہ دھکم پیل میں پیروں تلے روندے جانے اور سمندر میں گر کر ہلاک ہونے کے سنگین واقعات وقوع پذیر ہو چکے ہیں۔ ان حادثات کی تمام تفصیلات کا احاطہ کرنا نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی مقصد، کیونکہ ہر سال اخبارات میں ان حادثات کی مفصل رپورٹیں شائع ہوتی ہیں جو مذکورہ نقصانات پر شاہد ہیں۔

ان تقریبات اور رسومات میں شراب نوشی، جوا اور دیگر مفاسد کی کھلی چھوٹ ہوتی ہے، وطنِ عزیز میں شراب کا اس طرح کھل کر استعمال ہمارے لیے یقیناً لمحہ فکریہ ہے، دوسری طرف جوئے کے بازار نے کئی گھرانوں کو برباد کر کے رکھ دیا ہے، لوگ اس رات اپنے گھروں کا سارا سارا سامان ہار بیٹھتے ہیں، حتیٰ کہ اپنی بیٹیوں اور بہنوں تک کو داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ الامان والحفیظ ..... یہ تمام تر مفاسد ہماری نوجوان نسل اور ملک وملت کی تباہی میں کلیدی کردار ادا کر رہے ہیں۔

دردِ دل

وطن عزیز میں نوجوان نسل کی اس بے راہ روی کے لیے ایسے مواقع فراہم کرنا روشن خیال امیر شہر کے دستور کا حصہ بن چکے ہیں، حالانکہ بداعمالیوں کی یہ سیاہ رات ہماری مشرقی روایات کے سینے میں

پیوست ہونے والا وہ زہر آلود خنجر ہے جس کے گھاؤ کا کوئی مداوا نہیں، ارباب بست و کشاد کو تو یہ چاہیے کہ وہ اپنی نوخیز نسل پر رحم کھاتے ہوئے اس کا نوٹس لیں، کیونکہ جس قوم کے معماروں کے ہاں ہر سال کا استقبال بے حیائی و بے غیرتی کی تند و تیز موجوں سے ہو، وہ کیوں کر اقوام عالم میں اپنی ساکھ باقی رکھ سکتی ہے۔

اس سلسلے میں اہم ذمہ داری تعلیمی اداروں کے اربابِ اختیار پر بھی عائد ہوتی ہے، کیونکہ تعلیمی اداروں ہی سے لوگ بنتے اور بگڑتے ہیں، لہٰذا خداوندانِ مکتب چاہے وہ دینی اور مذہبی تعلیمی اداروں سے متعلق ہوں یا عصری تعلیمی اداروں سے، معمارانِ وطن کی ذہنی اور فکری تربیت ان خطوط پر کریں جو مملکت خداداد کی بنیادوں کو محکم اور مضبوط کرنے والے ہوں۔ یہ نسل جب ان اداروں سے نکلے، تو ایک مشن کے تحت اپنے ملک و ملت کی خادم بنے، نہ کہ مغرب کے طوفانوں کے سامنے ریت کی دیوار بن کر ڈھے جائے اور اپنے وطن اور ملت کے پاکیزہ اور مشرقی معاشرے کو یورپی تہواروں کے دلدل میں غرق کردے۔

والدین کی خدمت میں بھی یہ دردِ دل پیش کیا جاتا ہے کہ خدارا! اپنی اولاد پر رحم کھائیں اور ان کے لیے ان جیسی ملعون تقریبات میں شرکت کی راہیں ہموار نہ کریں، بلکہ ایسے اسباب و عوامل کا قلع قمع کردیں جو آپ کی اولاد کو اس ڈگر پہ ڈالنے والے ہوں، اگر آپ ان رسومات کو اپنی اولاد اور پورے معاشرے کے لیے مضر نہیں سمجھتے تو یہ بصیرت اور فراست کی کمزوری ہے اور اگر اسے معاشرے اور خصوصاً نوجوان نسل کے لیے مضر سمجھا جاتا ہے تو پھر اس ضرر عام کو برداشت کرنا حکمت اور دانائی کے خلاف ہے۔

کیونکہ ان چیزوں کا رواج انسانیت کے زوال اور انحطاط کی علامت بلکہ انسانی پستی اور گراوٹ کا آخری نقطہ ہے، جس کے بعد خالص حیوانیت کا درجہ باقی رہ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو مغرب کی ان بے ہودہ رسموں سے اپنی حفاظت میں رکھے۔

(آمین ثم آمین)

☆☆☆

فصل سوم

ویلنٹائن ڈے.....تاریخ کیا کہتی ہے؟

ایک عجیب پیش گوئی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰى لَوْ دَخَلُوْا فِيْ جُحْرِ ضَبٍ لَاتَّبَعْتُمُوْهُمْ. قُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللهِ! اَلْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى؟ قَالَ فَمَنْ؟

(صحیح مسلم، باب اتباع سنن الیہود والنصاریٰ، رقم:۲۶۶۹)

ترجمہ: تم ضرور پہلے لوگوں کی روش اور طریقہ کی مکمل طور پر اتباع کرو گے۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے تو تم بھی ان کی پیروی میں وہاں داخل ہو گے۔ (حضرات صحابہ ؓ فرماتے ہیں کہ) ہم نے آپ ﷺ سے دریافت کیا: یارسول اللہ ﷺ! (پہلے لوگوں سے مراد) یہود و نصاریٰ ہیں کیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اور کون؟ (یعنی وہی مراد ہیں)۔

آپ ﷺ کی سوا چودہ سو سال پہلے کی ہوئی یہ پیش گوئی آج حرف بہ حرف ہم پہ صادق آ رہی ہے۔ یہود و نصاریٰ کی جملہ خرابیاں امت مسلمہ کے اندر سرایت کر چکی ہے، شراب نوشی، جوا، فحاشی و عریانی، قتل و غارت گری، بد دیانتی، رشوت خوری، نفسانی خواہشات کی پیروی اور انبیاء کی سیرت کو پس پشت ڈالنا مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے کی روایت بن چکی ہے۔ اس سے بڑھ کر المیہ یہ ہے کہ نوجوان نسل یہود و نصاریٰ کی ان روایات کو رواج دینے میں اہل مغرب کے شانہ بشانہ چل رہی ہے، جو تاریخ کے کسی تاریک گوشے میں پڑے پڑے اپنا وجود کھو چکی تھیں، آج روشن خیالی کی پھنوار نے ان مردہ روایات اور تہواروں کو اتنا تر و تازہ کر دیا ہے کہ ان کے سامنے مسلمانوں کی اپنی روایات مرجھائی ہوئی معلوم ہو رہی ہیں، یہود و نصاریٰ اپنی نفسانی خواہشات کے بل بوتے پر ایسے لچر رسومات کو رواج دے رہے

ہیں، جن کا نام ونشان تک ان کی بنیادی مذہبی کتابوں میں موجود نہیں جبکہ ہماری نئی نسل بھی ان کی پیروی میں وہاں گھس رہی ہے اور مغرب کی طرف سے آنے والے ہر تہوار اور ہر رسم کو شرف قبولیت بخش رہی ہے، یہ تہوار محض ایک یادگار ہی نہیں فحاشی وعریانی پھیلانے کے وہ قوی ذریعے ہیں جن کی بدولت اہل مغرب ہماری مشرقی روایات کا گلا گھونٹ رہے ہیں، بلکہ ہم خود اپنے ہی گھر کو جلانے کے لیے اس لشکر کے ہراول دستے کا کردار بھی ادا کر رہے ہیں۔

انہی بیہودہ رسومات میں سے ایک ویلنٹائن ڈے ہے، اہل مغرب کا بھیجا ہوا یہ تحفہ بڑی تیزی سے ہماری ثقافت کا حصہ بن رہا ہے، مغرب والے اسے ایک مقدس تہوار کا درجہ دیتے ہیں، جبکہ اس کا ذکر ان کے شرائع میں کہیں بھی موجود نہیں، افسوس! کہ ہمارے مسلمان بھائی بھی اہل مغرب کی اندھی تقلید میں ویلنٹائن ڈے منانا باعث فخر سمجھتے ہیں اور اس فضول اور بے فائدہ رسم پر اپنی خطیر رقم پھونک ڈالتے ہیں۔ اعاذنا اللہ من ذالك

ویلنٹائن ڈے کیا ہے؟

ویلنٹائن ڈے کیا ہے؟ اس کا آغاز کب ہوا؟ اور یہ زہر مسلمان معاشرے میں کب سے پھیلنا شروع ہوا؟ آیئے! ان سوالات کا جواب ڈھونڈنے کے لیے تاریخ کے دروازے پر دستک دیتے ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں لکھا ہے:

Valentine, Special from of greeting card exchange in observance of st. Valentine's Day (February 14th), a day set aside as a lover's festival.

(Britannica,12:242)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ویلنٹائن ڈے وہ مخصوص تہوار اور طریقہ ہے جس میں عشق ومحبت کے رسیا لوگ ایک دوسرے کو ''گریٹنگ کارڈز'' بطور یادگار دیتے ہیں اور یہ تہوار ایک مشہور پادری سینٹ ویلنٹائن کی یوم وفات ''چودہ فروری'' کو اس کی یاد میں منایا جاتا ہے، چودہ فروری عشق ومحبت کی آگ میں پھنسے ہوئے لوگوں کے لیے بطور تہوار خاص کر دیا گیا ہے۔

اس عبارت سے تین باتیں واضح ہوتی ہیں۔

☆ ویلنٹائن ڈے جنسی عشق و محبت کی بدبودار فضاؤں میں جینے والوں کا تہوار ہے۔

☆ اس کا آغاز چودہ فروری کو ویلنٹائن نامی کسی پادری نے کیا تھا۔

☆ اس پادری نے ہی اسے عشق معشوقوں میں ملوث جوڑوں کے لیے خاص کیا تھا اور وہ اسی کی یادگار میں محبت کی یادیں تازہ کرنے کے لیے یہ دن مناتے ہیں۔

برٹانیکا مزید لکھتا ہے:

St valentine's Day as ay lover's festival detes at least from the 14th century....it is probably that the valentines was the first of all greeting cards.

(Britannica,12:242)

یعنی سینٹ ویلنٹائن کے نام پر منایا جانے والا یوم محبت چودہ صدیاں پرانا تہوار ہے.....اور ہوسکتا ہے کہ آج کل تقسیم ہونے والے ''گریٹنگ کارڈز'' کو بھی اس ویلنٹائن ہی نے رواج دیا ہو۔

اس عبارت سے دو باتوں کا علم ہوتا ہے۔

☆ ویلنٹائن ڈے عیسائیوں کا قدیم ترین تہوار ہے جو پادری کی یادگار کے طور پر منایا جاتا ہے۔

☆ غالباً سب سے پہلے محبت کے نام پر کارڈ اور پھول وغیرہ بھیجنے کی داغ بیل ویلنٹائن نے ڈالی ہے۔ آیئے اب ذرا تفصیل سے ویلنٹائن کا حال پڑھتے ہیں۔

ویلنٹائن کون تھا؟

مؤرخین کا کہنا ہے کہ ویلنٹائن روم کے کیتھولک چرچ کا ایک عیار پادری تھا، تیسری صدی عیسوی میں روم پر کلاڈیس دوم کا سکہ چلتا تھا، یہ بادشاہ جنگوں کا رسیا اور عیسائیت کا سخت دشمن تھا، اس نے عیسائیت کی تعلیم پر پابندی لگا دی تھی، بادشاہ کا گمان تھا کہ جنگوں میں کنوارے نوجوان بڑے جوش وجذبے سے لڑتے ہیں، لہٰذا فوج میں انہی کو رکھنا چاہیے، جبکہ دوسری طرف عوام بادشاہ کی سخت گیری اور جنگی مہم جوئی کی سخت مخالف تھی اور صرف بادشاہ کی تسکین خاطر کے لیے جنگ کی سختیوں کو

جھیلنا حماقت خیال کرتی تھی۔ لہٰذا انہوں نے کم عمری میں شادیاں شروع کر دیں، بادشاہ نے یہ صورتحال دیکھی تو شادی پر بھی پابندی لگا دی اور یہ شرط عائد کر دی کہ شادی صرف وہ شخص کر سکتا ہے جو کسی جنگ میں شرکت کرے، بادشاہ کے اس ظالمانہ اقدام کے خلاف کسی کو سر عام آواز اٹھانے کی جرأت نہ تھی۔ اب یہاں سے مؤرخین کی روایتیں مختلف ہیں۔

بعض حضرات کے نزدیک ویلنٹائن چونکہ عیسائیت کا علمبردار اور کیتھولک چرچ کا پادری تھا، اس لیے اس نے عیسائیت پر پابندی کے خلاف آواز اٹھائی اور روم کے بادشاہ کلاڈیس دوم کے خلاف تحریک شروع کر دی، کلاڈیس دوم نے ان کی قوت کو کچلنے کیلئے وہی کیا جو ایسے موقعوں پر طاقتور بادشاہوں کا دستور ہوا کرتا ہے، اس نے عیسائیت کو بری طرح کاٹا اور ویلنٹائن کو جیل میں ڈال دیا، ویلنٹائن نے جیل میں بھی عیسائیت کی تبلیغ جاری رکھی اور اپنے مؤقف سے پیچھے ہٹنا گوارا نہ کیا، کلاڈیس دوم کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس نے فوجیوں کو حکم دیا کہ اسے ڈنڈے مار مار کر ادھ موا کر دو، لہٰذا ویلنٹائن پر خوب تشدد کیا گیا، بالآخر اعلانیہ اقرار جرم کی وجہ سے وہ پھانسی کے پھندے پر لٹک گیا، اس کی تحریک سے وابستہ افراد نے ویلنٹائن کی موت پر اس کے مشن کو زندہ رکھنے کا عزم کیا اور کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کرنے کا عہد و پیمان کرتے ہوئے ایک دوسرے کو سرخ گلاب بھیجے، یہ چودہ فروری کا دن تھا۔ یہیں سے دنیائے عیسائیت میں ویلنٹائن ڈے کی داغ بیل پڑی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ دوران قید ویلنٹائن جیلر کی بیٹی پر عاشق ہو گیا تھا، جو نابینا تھی اور بغرض علاج اس کے پاس بھیجی جاتی تھی، ویلنٹائن اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر گھنٹوں اپنے پاس بٹھائے رکھتا اور عیسائیت کی تعلیم دیتا۔ ویلنٹائن نے علاج کی بڑی کوشش کی، لیکن اس کا علاج محبوبہ کی بنیائی نہ لوٹا سکا، جب ویلنٹائن کی پھانسی کا وقت آیا تو اس نے اپنی محبوبہ کے نام ایک محبت نامہ پھول سمیت ارسال کیا، جب اسے یہ تحفہ ملا تو ویلنٹائن اس دنیا سے رخصت ہو چکا تھا، تحفے اور موت کی ساتھ ساتھ خبروں نے جیلر کی بیٹی پر عجیب اثر کیا اور اس کی بینائی لوٹ آئی۔ (جریدہ عالم، ص:۱۲۹)

ویلنٹائن کے حامی نوجوانوں نے اپنے پیشوا کی یاد میں چودہ فروری کو اپنی گرل فرینڈز کے پاس پھول اور کارڈز بھیجنا شروع کر دیئے اور یہیں سے ویلنٹائن ڈے کا آغاز ہوا۔

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کلاڈیس دوم کے رویے اور ویلنٹائن تحریک کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کرتا ہے:

Valentine, Saint (d. 3rd Century, Romefeast day Fabruary 14), name of two legendary martyrs whose lives seem to be historicall based. One was a Roman Priest and physician who suffered martyrdom during the persecution of chritians by the emperor claudius II Gothicus and was buried on the via Falminia pope st. Julius i reportedly built a basilica over his grave. (BRITANNICA,12:242)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ویلنٹائن تیسری صدی عیسوی میں عیش وعشرت کا ایک تہوار تھا، ویلنٹائن دو مقدس مقتولوں کا نام ہے جو دونوں تاریخی حیثیت کے حامل ہیں، ان میں سے ایک ویلنٹائن روم کا پادری اور طبیب تھا، یہ کلاڈیس دوم کے دور حکومت میں اس وقت قتل ہوا جب کلاڈیس کے ہاتھوں عیسائیت کا قتل عام ہو رہا تھا، ویلنٹائن ''وایا فلیمینا'' علاقے میں دفن ہے اور پوپ سینٹ جولیس نے اس کی قبر پر ایک شاندار مقبرہ تعمیر کیا ہے۔

برٹانیکا کی یہ عبارت اس بات کی خبر دیتی ہے کہ

☆ ویلنٹائن کلاڈیس کے خلاف کام کرتے ہوئے مارا گیا۔

☆ یہ پادری اور طبیب بھی تھا، اس کا طبیب ہونا عام مؤرخین کے اس بیان کردہ واقعہ کو تقویت دیتا ہے جو جیلر کی نابینا بیٹی اور ویلنٹائن کی طرف منسوب ہے۔

مؤرخین ویلنٹائن کے تعارف میں ایک دوسرا قول بھی پیش کرتے ہیں کہ ویلنٹائن نے کلاڈیس دوم کی شادی پر ظالمانہ پابندی کے خلاف ایک خفیہ تحریک شروع کی، وہ نوجوان جوڑوں کو اکٹھا کرتا اور راتوں رات ان کی شادیاں کروا کر رخصت کر دیتا، جب اس کی تحریک نے زور پکڑا تو کلاڈیس کے ستائے ہوئی عیسائی اسے اپنا سہارا سمجھنے لگے اور اس کی مقبولیت میں خوب اضافہ ہوا۔

لیکن اس کی تحریک زیادہ دیر نہ چل سکی اور کلاڈیس دوم کے خفیہ ذرائع نے اس کی سرگرمیوں کا پتہ چلا لیا، انہوں نے ویلنٹائن اور اس کے حامیوں کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا، ویلنٹائن جیل کی ہوا کھانے کے بعد مزید جری ہو گیا اور جیل کے اندر برملا بادشاہ کی مخالف، عیسائیت کی تعلیم اور اپنے نظریے کی ترویج شروع کر دی، ویلنٹائن ہر اتوار کو قیدی جمع کرتا اور ان کو عیسائیت کی تعلیم دیتا، ساتھ ہی اپنی مخصوص عبادت بھی کرواتا، مؤرخین یہاں پہنچ کر پہلی روایت میں مذکور جیلر کی بیٹی کا قصہ یہاں بھی ذکر کرتے ہیں کہ جیلر کی نابینا بیٹی ویلنٹائن کے پاس اس لیے علاج کیلئے لائی گئی کہ جیلر کو کہیں سے ویلنٹائن کے بارے میں پتہ چلا کہ یہ بہت بڑا عالم اور طبیب ہے اور اس کے علاج سے کئی لوگوں کی بینائی واپس لوٹی ہے۔ لیکن ویلنٹائن نے علاج کے بہانے اس لڑکی کو عیسائیت کی طرف راغب کرنا شروع کر دیا، لڑکی نے بھی اس میں دلچسپی لی اور رفتہ رفتہ ویلنٹائن اس کی زلفوں کا اسیر ہو گیا۔

ویلنٹائن ہر اتوار کا انتظار کرتا، اگر وہ نہ آتی تو اسے خط لکھتا اور لڑکی بھی مسلسل اس سے رابطہ رکھتی، بالآخر اعتراف جرم اور بغاوت کی سزا نے ویلنٹائن کو پھانسی کا گھاٹ دکھا دیا، ویلنٹائن نے پھانسی سے قبل اپنی محبوبہ کے نام ایک کارڈ پر خط لکھ کر روانہ کیا اور پھانسی کے پھندے پر لٹک گیا، کہا جاتا ہے یہ اٹلی (روم) کے شہر ٹرنی کا باشندہ تھا۔

ویلنٹائن کے گرویدہ نوجوانوں نے اس دن پہلا ویلنٹائن ڈے منایا، یہ ۱۵ فروری ۲۰۷ء یا ۲۷۰ء کا دن تھا۔ (جریدہ عالم، ص: ۱۲۹)

ویلنٹائن کو جس گیٹ پر پھانسی دی گئی اسے ویلنٹائن گیٹ کہا جاتا ہے، آج بھی بہت سے جوڑے وہاں جمع ہو کر پندرہ فروری کو ویلنٹائن کی یاد میں اظہار محبت کرتے ہیں اور باہم بغل گیر ہوتے ہیں، کیونکہ ویلنٹائن نے بھی نوجوانوں کو ملانے کا یونہی بندوبست کر رکھا تھا۔

برٹانیکا نے ایک اور ویلنٹائن کا ذکر کیا ہے جو روم کے کسی شہر میں پھانسی چڑھا، پھر اس کی باقیات کو محفوظ کر کے اس کی یادگار میں تہوار منایا جانے لگا۔

برٹانیکا کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

The other bishop pf terni Italy, was martyred,

appartently also in Rome, and his relics were later taken to tarni, It is possible thes are different versions of the same original account and refer to only one person. (BRITANNICA,12:242)

یعنی دوسرا سینٹ ویلنٹائن اٹلی کے شہر ''ٹرنی'' کا بشپ تھا، یہ روم میں قتل کیا گیا بعد میں اس کی نشانیوں کو ''ٹرنی'' لے جایا گیا، یہ بھی ممکن ہے کہ ماقبل والی روایت اور یہ ایک ہی شخص کے بارے میں ہوں، اور دونوں ویلنٹائن سے ایک ہی شخص مراد ہو۔

اس عبارت سے واضح ہوا:

☆ کہ ٹرنی کا باشندہ ویلنٹائن شاید وہی تھا، جو تیسری صدی عیسوی میں کلاڈیس کا مقابلہ کرتے ہوئے پھانسی کے پھندے پر چڑھا۔

☆ مزید یہ کہ اختلاف روایات پر برٹانیکا کی عبارت بھی دلالت کر رہی ہے۔

بہر حال دونوں روایتوں کا حاصل یہی ہے کہ ویلنٹائن ڈے ایک عیسائی پادری کی یادگار ہے جو خود بھی پاکیزگی سے خالی تھا اور عورتوں کی محبت و عشق میں تڑپتا رہتا تھا، ایسے شخص کی یادگار میں مسلمانوں کا دیوانہ وار جت جانا انتہائی باعث حیرت ہے، مسلمان قوم اپنا تشخص اس حد تک ختم کرا چکی ہے کہ اب عیسائی پادریوں کے ایام پر بھی تھرک رہی ہے۔ افسوس صد افسوس! کہ ہم خود اسلامی تہذیب کو ذلت و تاریکی کی کھائیوں میں دھکیل رہے ہیں۔

ویلنٹائن تحریک اور ماہ فروری

مؤرخین کا کہنا ہے کہ ویلنٹائن کی خفیہ تحریک کا آغاز ماہ فروری میں ہوا، یہ تحریک فروری ہی میں بام عروج پر پہنچی اور پھر فروری ہی میں ویلنٹائن کی پھانسی پر زوال کی گہرائیوں میں جا گری۔

عیسائی مؤرخین کہتے ہیں کہ فروری کے مہینے میں پرندوں کے مختلف جوڑوں کا آپس میں جنسی ملاپ ہوتا ہے، ویلنٹائن کہا کرتا تھا جس مہینے میں جانور بھی آپس میں جنسی خواہشات پوری کرتے ہیں، انسان ان میں کیوں کر دور رہ سکتا ہے۔

ویلنٹائن کو پھانسی دیے جانے کے بعد اس کی تحریک اس انداز میں نہ چل سکی، جس طرح اس نے شروع کی تھی، رفتہ رفتہ یہ رسم قصبوں اور دیہاتوں تک محدود ہو گئی اور بالآخر اسے صرف ویلنٹائن کی شخصیت سے متاثر حلقے ہی منانے لگے، ایک دور ایسا بھی آیا کہ گزرتے زمانے کے پڑنے والے گرد و غبار نے اسے بالکل دھندلا کر ڈالا اور دھیرے دھیرے یہ عالمی نقشے پر قصہ پارینہ بن گئی۔

مؤرخین ویلنٹائن ڈے اور فروری کی باہم مناسبت کے بارے میں یہ بھی کہتے ہیں کہ رومی (FAUNUS) ''فونس'' نامی دیوتا کی پوجا کرتے تھے، رومیوں کے ہاں یہ ان کا زراعت کا دیوتا تھا، رومی اچھی زراعت کی پیداوار کے لیے اس کی عبادت میں منہمک ہو جاتے اور اسے خوش کرنے کیلئے کتے اور بکری کی قربانی دیا کرتے تھے۔ قربانی مکمل کرنے کے بعد رومی عورتیں بکری اور کتے کے خون کو رسیوں پر مل کر گھروں اور کھیتوں میں گھسیٹتی تھیں، ان کا اعتقاد تھا کہ اس طرح کرنے سے فصل میں اضافہ ہوتا ہے، رومیوں کا یہ تہوار فروری کے مہینے میں منایا جاتا تھا، مؤرخین کا کہنا ہے کہ یہی تہوار بعد میں ویلنٹائن ڈے میں ضم ہو گیا، اس لئے کہ ویلنٹائن کا واقعہ بھی ماہ فروری میں پیش آیا تھا۔

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں اس رسم کی طرف ان الفاظ سے اشارہ کیا گیا ہے:

A grandon of Saturn, Faunus was typically represented as half man, half goat, a derivation from the Greek Satyr, ain the coampany of similar creatures, known as Fauns. Like Pan, Faunus was associated with merriment, and his twice-yearly festivals were marked by reverly and abnadon, At the Lupercailia (q.v.) a celebration of feritilty held partly in his hounour each February in Rome well into the Cgristian Era, youths clothed as goats ran through streets wielding stripes of goatskin. (BRITANNICA,4:701,702)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ''فونس'' "Faunus" ایک رومی دیوتا ''سٹورن'' کا پوتا تصور کیا جاتا تھا، فونس روم کی زراعت کا دیوتا تھا، ان کا تصور یہ تھا کہ فونس آدھا آدمی اور آدھا بکری کی شکل میں تھا، رومی اچھی زراعت کی پیداوار کیلئے فروری کے حصوں میں اس کا تہوار مناتے تھے، اس تہوار کا دائرہ عیسائی ممالک میں پھیلا ہوا تھا، اس دن رومی بچے اور نوجوان بکریوں کی کھالیں پہن کر گلی کوچوں میں بھاگا کرتے تھے۔

ان دونوں اقوال کے پیش نظر ویلنٹائن ڈے کو ماہ فروری میں منانا محض توہم پرستی یا بت پرستی کی اتباع ہے، لہٰذا ایسی قبیح رسم کافروں کیلئے تو مناسب ہے، لیکن مسلمان کہلانے والوں کے ہاں اس کا رواج باعث حیرت وتعجب ہے۔

ویلنٹائن کارڈ

بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ ویلنٹائن کارڈ کا آغاز ویلنٹائن کے بعد ہی ہوگیا تھا اور اس کی وجہ آغاز یہ بتاتے ہیں کہ ویلنٹائن نے پھانسی والے دن اپنی محبوبہ کے نام جو پیغام بھیجا تھا وہ ایک کارڈ پر مرقوم تھا، لہٰذا آپ کے پیروکاروں نے ویلنٹائن ڈے پر اپنے محبوبوں کو گلاب کا پھول دینے کے ساتھ ساتھ ویلنٹائن کارڈ بھی دینا شروع کر دیا، یوں یہ ویلنٹائن ڈے کی ایک ضروری اور لازمی رسم بن گئی۔

بارہ صدیوں بعد ۱۴۱۴ء میں ''اینگ کوٹ'' کے مقام پر ایک جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں ڈیوک "Duke" آف آرنیز کی بیوی گرفتار ہوگئی۔ ملکہ کو ''ٹاور آف لندن'' میں بند کر دیا گیا تھا، ڈیوک نے اپنی گرفتار بیوی کے نام چودہ فروری کو ویلنٹائن کارڈ بھیجا، اس کارڈ پر ایک نظم بھی لکھ کر بھیجی جسے بڑی شہرت ملی، بعد میں ایڈورڈ ہفتم نے اس کو ویلنٹائن ڈے کے گیت کا درجہ دیا اور مشہور موسیقاروں سے اس کی موسیقی تیار کرا کے اسے رواج دے دیا۔

ڈیوک کے طرز عمل سے ویلنٹائن کارڈ کی مردہ رسم میں نئے سرے سے جان پڑ گئی اور لوگ اپنے عزیز قیدیوں، دور دراز رہنے والے محبوبوں اور اعزہ واقارب کے نام محبت کے کارڈ ارسال کرنے لگے، بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ یہیں سے ویلنٹائن کارڈ نے رواج پکڑا۔

ملکہ وکٹوریہ ہر سال فروری کے دوسرے ہفتے میں کارڈ اور پھول منگوا کر اعزہ واقارب اور دوستوں

کے ہاں بھیجتی، رعایا نے ملکہ کی اقتداء کی اور یوں یہ رسم برطانیہ کے گلی کوچوں میں عام ہوگئی۔

''ویلنٹائن ڈے'' کی پاکستان آمد

وطن عزیز میں مغربی رسوم اور تہواروں کے زہریلے ریلے ۱۹۹۰ء کے بعد آنا شروع ہوئے ہیں، ویلنٹائن ڈے کا واضح ذکر بھی ہمارے ہاں ۱۹۹۰ء کے بعد ہی ملتا ہے، اسے ہمارے پاکیزہ معاشرے پر مسلط کرنے والے کون سے عناصر ہیں؟ وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے آگ کی یہ سلگتی چنگاریاں ہمارے دامن میں ڈالیں؟ اس کا جواب بظاہر بہت واضح ہے، ویلنٹائن ڈے کو اس پاک سرزمین پر رواج دینے والی وہ مادر پدر آزاد مخلوق ہے جس کی ذہنی آبیاری میں مغربی فلسفہ فکر کا دخل ہے، جن کی پرورش اس ماحول میں ہوئی جہاں بدن پر پورا لباس پہننا معاشرتی عیب تصور کیا جاتا ہے، جن کی تعلیم و تربیت ان اداروں میں ہوئی ہے جہاں آزادانہ محرکات کا طوفان ہمہ وقت برپا رہتا ہے۔

ان لوگوں نے جب وطن عزیز میں قدم رکھا اور ویلنٹائن ڈے جیسی رسموں کو عام کرنے کا ٹھیکہ لیا تو اس وقت ان کا دائرہ کار انتہائی محدود تھا، یہ لوگ کراچی اور لاہور کے چند بڑے ہوٹلوں میں اکٹھے ہو جاتے، رقص و موسیقی اور شراب و شباب کی مجلسیں گرماتے، فحاشی و عریانی کے کھلے اور کریہہ مناظر سے اپنی فطرت کی تسکین کا سامان پیدا کرتے، ایک دوسرے کو تازہ پھول پیش کرتے، ہاتھوں میں کارڈ تھماتے اور بہار جیسے خوبصورت موسم کا استقبال اپنے سیاہ اور شیطانی اعمال سے کر کے گھروں کو لوٹ جاتے۔

ان لوگوں نے اپنے کاروباری حلقوں سے وابستہ افراد کو ان مجلسوں میں دعوتیں دینا شروع کیں، وہ متاثر ہوئے تو انہوں نے اس قبیح رسم کو اپنے حلقہ احباب میں متعارف کروا دیا، یوں یہ طوفانی ریلا چلتا رہا اور آج یہ کیفیت ہے کہ چودہ فروری کو یوں معلوم ہوتا ہے، جیسے نوجوانان پاکستان جشن آزادی یا عید الفطر منانے کی تیاریاں کر رہے ہوں، آج ویلنٹائن ڈے کے طوفانی ریلے ہماری روایات، ہماری ثقافت اور ہماری تہذیب کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جا رہے ہیں اور کوئی بھی ان کے سامنے بند باندھنے والا نظر نہیں آتا۔

پاکستان میں ویلنٹائن ڈے منانے والے طبقات

کراچی اور لاہور سمیت ملک کے تمام بڑے شہروں میں ویلنٹائن ڈے منانے والے عموماً تین طبقوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔

پہلا طبقہ

سیکولر ذہنیت رکھنے والے اونچے درجے کے عیاش لوگوں کا ہے، جن کے لیے ایسے امور کی ترویج اور سرپرستی کے سبب مال وزر کی ترسیل کا مغرب سے باقاعدہ انتظام ہے اور یہی لوگ ہمارے معاشرے میں مغربی رسوم کو رواج دینے کے اصل ٹھیکیدار ہیں، ان کے ہاں ویلنٹائن ڈے کا اہتمام اعلیٰ ترین ہوٹلوں میں کیا جاتا ہے، فروری کی آمد پر بڑے ہوٹلوں کے ہال بک ہونا شروع ہو جاتے ہیں، رقص وسرور اور شراب وکباب کی محفلیں آراستہ کرنے کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں، مہنگے ترین پھول اور کارڈ منگوا لئے جاتے ہیں، غرض فحاشی اور عریانی کا ہر راستہ سجا لیا جاتا ہے، ۱۴ فروری کو ان ہوٹلوں میں چہل پہل کا بدنما سماں کسی آسمانی عذاب کو دعوت دینے کیلئے کافی ہوتا ہے، اس تاریک ماحول میں اس رات بڑے ہوٹلوں میں پارٹیاں منعقد ہوتی ہیں، جب سوئی بارہ کے ہندسے کو پھلانگتی ہے تو پھولوں اور کارڈوں کے تبادلے شروع ہو جاتے ہیں، اپنے محبوبوں، معشوقوں اور جوڑوں کے نام بدبودار عشقیہ پیغامات بھیج دیئے جاتے ہیں اور یوں یہ طبقہ وطن عزیز کے سینے میں زہریلا ثقافتی خنجر گھونپ کر چھٹ جاتا ہے۔

دوسرا طبقہ

ویلنٹائن ڈے منانے والا دوسرا طبقہ امیر اور متوسط درجے کے افراد پر مشتمل ہے، اس طبقے میں عموماً نوجوان اور نوخیز نسل داخل ہے جنہیں مذہبی تعلیمات کی کوئی خاص شد بد نہیں ہوتی، ان میں اکثر کی کمائی بھی درمیانے اور متوسط درجے کی ہوتی ہے، لیکن اعلیٰ طبقوں کی تقلید کے شوق، معاشرے پر چھائے ہوئے مغرب کے اثرات اور غلامانہ روش نے اس قسم کے لوگ بھی خاصی تعداد میں پیدا کر دیئے ہیں، بلکہ درحقیقت اکثریت اسی طبقے کی ہے، یہ آوارہ گرد قسم کے لوگ ویلنٹائن ڈے جیسے دنوں کا انتظار

کرتے ہیں، یوں ان موقعوں پر وہ تفریح کے عنوان سے اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں، ہر بڑے شہر میں ان لوگوں کی مختلف تفریح گاہیں ہوتی ہیں۔ ویلنٹائن ڈے کے موقع پر کراچی میں ان کی سب سے بڑی آماج گاہ ساحلِ سمندر (Sea view) کہی جاسکتی ہے، یہاں مخلوط سیر و تفریح، رقص و موسیقی، کارڈوں اور پھولوں کے تبادلے اور مشرقی روایات کی پامالی کے مناظر سرِ عام دکھائی دیتے ہیں، کبھی کبھار تو وہ ہلڑ بازی مچتی ہے کہ الامان والحفیظ۔

تیسرا طبقہ

ویلنٹائن ڈے کا دلدادہ تیسرا طبقہ ان عام پاکستانیوں کا ہے جو گھروں میں بیٹھ کر پھول، کارڈ، فون کالز، اور میسج (S.M.S) وغیرہ کے ذریعے اپنے دوستوں عزیزوں اور محبوبوں کو محبت و عشق کے پیغامات پہنچاتے ہیں۔ آج کل بعض فون کمپنیوں کی طرف سے ویلنٹائن ڈے پر ''مخصوص میسجز'' کسٹمرز کو بھیجے جاتے ہیں، پھر وہ اسے آگے ارسال کرتے ہیں، یہ طبقہ ویلنٹائن ڈے پر پھیلی ہوئی فحاشی اور بے حیائی میں تو شریک نہیں ہوتا، لیکن اپنی کم عقلی اور تقلید مغرب کے شوق میں عام معاشرتی ماحول سے متاثر ہو کر اسے منانا ضرور ہے، یہ بھی انتہائی بڑا المیہ ہے، جس کا سد باب ضروری اور لازمی ہے، درحقیقت یہ لوگ ویلنٹائن ڈے کی حقیقت اور اس کے وسیع تر مضر اثرات سے پوری طرح واقف ہی نہیں اور نہ ہی انہیں اس بات کا پوری طرح احساس ہے کہ یہ مغرب کی طرف سے کیا جانے والا وہ خطرناک ثقافتی وار ہے جس کی زد میں آنے کے بعد جان و ایمان دونوں خطرے میں پڑ جاتے ہیں، راقم نے اس طبقے میں بہت سے مذہبی کہلانے والے افراد کو بھی شامل پایا ہے۔ اگر اس طبقے میں ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے اصل حقائق اور اس کے منفی و مضر اثرات کی اشاعت کی جائے تو شاید کارگر ثابت ہوں۔

ویلنٹائن ڈے سے مغرب کیا کچھ حاصل کر رہا ہے؟

ویلنٹائن ڈے اہل مغرب کے ہاں صرف تہوار ہی نہیں، بلکہ فحاشی و عریانی پھیلانے کا ایک زبردست ذریعہ بھی ہے، اس کے ذریعے یورپی ممالک ہمارے معاشرے میں شراب، جوا، نشہ اور جنسی عشق و محبت کی غلاظت پھیلا کر اپنے مقاصد حاصل کرتے ہیں۔

ویلنٹائن ڈے پر ایک دوسرے کے ہاں گلابوں اور پھولوں کے تحفے بھیجنا عام ہے، بعض یورپی

تجارتی کمپنیاں عالمی سطح پر گلابوں کا کاروبار کرتی ہیں اور اس دن لاکھوں ڈالر بٹورتی ہیں، ملٹی نیشنل کمپنیاں ہر سال صرف برطانیہ اور امریکہ میں لاکھوں ڈالر کی سیل کرتی ہیں، پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں بھی اس دن گلابوں کا کاروبار عروج پر ہوتا ہے۔ الغرض ویلنٹائن ڈے پر استعمال ہونے والی شراب، ہوٹلوں کی بکنگ اور کارڈوں اور پھولوں کا استعمال مغربی معیشت کی کمر مضبوط کرنے کا ایک ٹھوس ذریعہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ ویلنٹائن ڈے کے موقع پر دی نیوز، ڈان، نیوز لائن، ہیرالڈ اور ینگ ٹائمز جیسے اخباروں اور اکثر چینلوں پر ملٹی نیشنل کمپنیوں کی طرف سے لڑکوں اور لڑکیوں کے ایک دوسرے سے ہاتھ ملاتے، گلے ملتے، اور دست بوسی کرتے دکھایا جاتا ہے، ان اشتہارات میں یہ پیغام نوجوانوں کے نام شائع ہوتا ہے، کہ آپ اپنے ساتھی خود ہی تلاش کیجئے، آج کے دن اسے محبت بھرا پیغام دیجئے اور عشق میں ڈوب جایئے، اپنی راتوں کی نیندیں کسی کے نام ویران کیجئے وغیرہ وغیرہ، ماڈلز لڑکیوں اور لڑکوں کے نیم برہنہ جسموں سے مزین یہ غلیظ اشتہارات نوجوان نسل کو مزید ابھارتے ہیں اور وہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی طرف سے تیار کردہ تحائف، پھولوں اور کارڈوں کی خوب خریداری کرتے ہیں، یوں یورپ ہمیں جرعۂ زہر آب پلانے کے ساتھ ساتھ ہم سے ایک خطیر رقم بھی لوٹ لیتا ہے۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر ویلنٹائن ڈے کی اس ترغیبی مہم کا حال مجھے ایک ثقہ راوی سے ملا ہے جو ماشاء اللہ اب تقویٰ وصلاح کی زندگی بسر کر رہا ہیں اور ان خطرناک ایمان کش وادیوں سے ہو کر گزرے ہیں۔

دردِ دل

ویلنٹائن ڈے جیسی بے ہودہ رسمیں وہ کڑکتی بجلیاں ہیں جو ہماری متاع ایمان کو جلا کر راکھ کر رہی ہیں، ہمارے ملک کا ایک بڑا طبقہ اس غلیظ رسم کی زد میں ہے، اس وقت ہم سب کا فرض بنتا ہے کہ اپنی دعوت میں اسکی تردید بھی شامل کر دیں اور اپنا دردِ دل ان سادہ لوح مسلمانوں تک پہنچا دیں جو مغربی رسوم کے ناپاک اثرات سے اپنا وجود آلودہ کر رہے ہیں اور ان کے گھٹا ٹوپ اندھیروں نے انہیں بالکل شب گوں بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆

فصل چہارم

بسنت ایک خونی تہوار

اللہ تعالیٰ ہمیں غلامی کے عذاب سے محفوظ رکھے، انسان کا جسم غلام ہو یا ذہن، دونوں اس کی تباہی کا ذریعہ بن جاتے ہیں، حتیٰ کہ انسان اپنا ذاتی وقار و وجاہت، اپنا دین و مذہب، اپنی تہذیب و ثقافت بلکہ اپنا نسب تک بھول جاتا ہے۔ آج کل ہمارے ہاں بہت سے طبقے کچھ ایسی ہی راہوں پر چل نکلے ہیں اور اپنے ساتھ بہت سے بدعقلوں کو بھی ہنکا رہے ہیں۔ بسنت کی شکل میں ان کا اٹھایا ہوا طوفان اس وقت ہمارے معاشرے میں زوروں پر ہے، بے پایاں سرمایہ بلا فائدہ اس پر خرچ ہو رہا ہے، جب کہ دوسری طرف یہ بہت سی قیمتی زندگیوں کو بھی برباد کر رہا ہے، کئی معصوم بچوں، راہ چلتوں اور غریب مزدوروں کی جانیں پتنگوں کی دھاتی ڈوروں کا نشانہ بن چکی ہیں، ہر سنجیدہ انسان ان دگرگوں حالات کو دیدہ خونبار سے دیکھ رہا ہے اور ہر پاکستانی کی یہ دلی خواہش ہے کہ اس عذاب سے چھٹکارا حاصل ہو۔

بسنت اور پتنگ بازی خالص ہندوانہ تہوار ہے، تاریخی شواہد ملاحظہ کرنے کے بعد اس کا اندازہ انتہائی آسانی سے ہو جاتا ہے۔ آیئے! ذرا تاریخی حوالوں کی روشنی میں بسنت کا جائزہ لیتے ہیں۔

بسنت کی ابتداء

قدیم ہندوستانی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بسنت کا آغاز پہلے پہل ہندوستان کے دو صوبوں پنجاب اور اتر پردیش میں ہوا۔ یہ تہوار بہار کے اوائل میں منایا جاتا تھا، اس وقت سرسوں کی فصل عین شباب کی حالت میں ہوتی اور زرد پھولوں سے سارے کھیت ڈھکے نظر آتے۔ اسی مناسبت سے تہوار منانے والے پیلے رنگ کے کپڑے پہنتے۔

مؤرخین کا کہنا ہے:

اس کا قدیم تصور موسم سے وابستہ ہے، چونکہ ان دنوں موسم تبدیل ہوتا ہے اور موسم بہار کی آمد آمد

ہوتی ہے، لہذا لوگ استقبالِ بہار میں گھروں سے باہر نکل آتے اور میلے منعقد کرتے تھے۔ یہ تہوار پہلے پہل ہریانہ اور پنجاب میں فروری اور مارچ کو منایا جاتا تھا، ہریانہ کے علاقے میں سرسوں کے بڑے بڑے کھیت قالین کی طرح بچھے ہوتے تھے، لوگ بھی پیلے کپڑے پہنتے اور پتنگ اڑاتے، گھروں میں لوگ مخصوص پوجا کرتے اور ماتھے پر ٹیکہ لگاتے، لوگ میٹھے چاول پکاتے اور ان میں سے پیلا رنگ ڈالتے، مرد پیلے کپڑے پہنتے اور عورتیں پیلی اوڑھنیاں اوڑھتیں۔

ہندو مصنف ''منشی رام پرشاد'' لکھتا ہے:

بسنت پنچمی: اب فصل کے بار آور ہونے کا اطمینان ہو چلا ہے اور کچھ عرصہ میں کلیاں کھل کر تمام کھیت کی سبزی زردی میں تبدیل ہونے لگے گی، اس لیے کاشتکار کے دل میں امنگ اور خوشی پیدا ہوتی ہے، وہ زردیوں کو خوش خوش گھر لا کر بیوی بچوں کو دکھاتا ہے اور پھر سب مل کر بسنت کا تہوار مناتے ہیں اور زرد پھول اپنے اپنے کانوں میں بطور زیور لگاتے ہیں۔

(ہندو تہواروں کی اصلیت اور ان کی جغرافیائی کیفیت، ص:۱۰۱)

منشی رام پرشاد ماتھر لکھتا ہے:

بسنت پنچمی کا تہوار گجرات، پنجاب، ممالک متحدہ اور راجپوتانہ وغیرہ میں زیادہ منایا جاتا ہے، دکن میں بہت کم ہوتا ہے، وہاں امیر لوگ گاتے بجاتے ہیں اور مندروں میں تسو ہوتا ہے، راجپوتانہ میں بسنتی کپڑے پہنے جاتے ہیں، بنگالہ میں اس کو سری پنچمی کہتے ہیں اور سرستی کی پوجا کرتے ہیں، شام کو بچے قسم قسم کے کھیل کھیلتے ہیں اور دوسرے دن سرستی کی مورتی کسی تالاب میں ڈال دیتے ہیں، اس روز کہیں کہیں ''کامدیو'' اور اس کی بی بی رتی کی پوجا ہوتی ہے۔

(ہندو تہواروں کی دلچسپ اصلیت، ص:۲۳۵)

امریکن میوزیم آف نیچرل ہسٹری کی آفیشل ویب سائٹ پر ''میٹنگ گاڈ'' کے کالم میں لکھا ہے:

سرسوتی (ہندوؤں کی مقدس دیوی) کو شمالی بھارت میں بسنت پنچمی کے تہوار پر پوجا جاتا ہے، یہ تہوار ہندو مہینے مگھ (جنوری، فروری) میں ہوتا ہے اور خاندان اپنی اپنی پوجا کرتے ہیں۔

(بسنت کیا ہے؟ ص:۸۷)

معروف سیاح البیرونی اپنے سفرنامہ ہند میں لکھتے ہیں:

اسی مہینے میں استواء ربیعی ہوتا ہے جس کا نام بسنت ہے، حساب سے اس وقت کا پتہ لگا کر اس دن عید کرتے اور برہمنوں کو کھلاتے ہیں۔ (کتاب الہند، ص: ۲۳۸)

ان تحریرات سے واضح ہوتا ہے کہ بسنت کا یہ میلہ خالص ہندو ثقافت کا حصہ ہے جسے وہ پہلے پہل موسمی تہوار کے طور پر مناتے تھے، بعد ازاں اسے مذہبی شکل مل گئی اور یہ ہندوؤں کے ہاں ایک خالص مذہبی تہوار بن گیا حتی کہ اسے سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی اور اسے خوب رواج دیا گیا۔ پھر یہ ایک مذہبی یادگار بن گیا اور ہندو قوم اسے اپنا مذہبی شعار سمجھ کر منانا شروع ہوئی، یہ اتنا اہم مذہبی تہوار کیسے بنا؟ اس کہانی کو پڑھنے سے پہلے ذرا پتنگ بازی کی تاریخ سے پردہ ہٹاتے ہیں جو کہ بسنت کا ایک لازمی اور ضروری جزء سمجھا جاتا ہے۔

پتنگ بازی کی تاریخ

کہا جاتا ہے کہ چائنز جنرل ''ہن سن'' جو ایک ماہر جنگی جرنل سمجھا جاتا تھا، نے سب سے پہلے انڈیا اور بعض ملحقہ علاقوں میں اپنے دشمنوں کی جاسوسی کے لیے پتنگ بازی کا استعمال شروع کیا تھا، یہ کوئی ۲۰۰ ق م کا واقعہ ہے، وہ باریک کاغذ کے پتنگوں کے ساتھ کوئی مخصوص آلہ نصب کرتا پھر اپنی سرحد سے دشمن کے علاقوں کی طرف پتنگ اڑا دیتا اور اس کے ذریعے دشمن کے ٹھکانے معلوم کرنے کی کوشش کرتا۔ ۲۰۰ ق م میں پتنگ کا اس طرح استعمال بظاہر ایک عجیب سا امر ہے لیکن بہر حال یہ ایک تاریخی روایت ہے جسے بلا دلیل آسانی سے رد بھی نہیں کیا جا سکتا۔ چینیوں کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ انہوں نے پتنگ ۴۰۰ ق م میں پہلی دفعہ چین میں بنائی اور اڑائی، اس کے بعد یہ پتنگ بازی چین کی ملکی تقریبات اور تہواروں میں شروع ہوگئی، پھر رفتہ رفتہ اسے باقاعدہ کھیل کی شکل دے دی گئی، شاہی خاندان پتنگ سازوں کی حوصلہ افزائی کرتا اور پتنگ بنانے والوں کو شاہی درباروں میں ماہرین کا عہدہ اور رتبہ دیا جاتا، اس دعویٰ کے مطابق چین میں پتنگ کے ایجاد کے ۲۰۰ سال بعد ہی اس کا جنگی استعمال ہوا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ چینیوں نے سرکاری سرپرستی میں مسلسل پتنگ سازی کو توجہ دیئے رکھی اور بالآخر وہ اسے ایک بڑے مقصد کے لیے استعمال کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

مصریوں کا کہنا ہے کہ پتنگ سازی کا کاروبار فراعین مصر کے دور میں بھی موجود تھا، اس کے لیے وہ اہراموں سے برآمد ہونے والی تصاویر اور بت بطور دلیل پیش کرتے ہیں جن میں بادشاہوں کو پتنگ اڑاتے ہوئے دکھایا گیا ہے، مصریوں کا کہنا ہے کہ پتنگ سازی کا فن مصر کے تاجروں کے ذریعے چین پہنچا، مصر میں یہ شاہی کھیل سمجھا جاتا تھا اور عوام کو کھیلنے کی اجازت نہ تھی، جبکہ چینی بادشاہوں نے اسے عام کر دیا تھا، اس لیے یہ چین میں زیادہ پھیلا، اگر مصریوں کی بات درست ہو تو پھر پتنگ کی تاریخ پانچ ہزار سال پرانی تسلیم کرنی پڑے گی۔ بہر حال چین سے پتنگ بازی کا سلسلہ ہندوستان تک پہنچا اور پھر ہندوؤں نے اسے اپنے تہواروں میں جگہ دینا شروع کر دی۔ یہاں تک کہ یہ بسنت کا ایک لازمی جزء بن گیا۔

پتنگ اڑانا جائز نہیں

مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ پتنگ بازی کی شرعی حیثیت بیان فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو کبوتر کے پیچھے بھاگتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: یہ شیطان ہے اور شیطانہ کا پیچھا کر رہا ہے۔ (ابوداؤد، ج:۲، ص:۱۷۶)

کبوتر بازی میں انہماک کی وجہ سے امور دینیہ و دنیویہ سے غفلت کا مفسدہ پتنگ بازی میں بھی پایا جاتا ہے، لہٰذا یہ وعید اس کو بھی شامل ہے۔

۲۔ مسجد کی جماعت بلکہ خود نماز سے ہی غافل ہو جانا، شراب اور جوئے کے حرام ہونے کی اللہ تعالیٰ نے یہی وجہ بیان فرمائی ہے، وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ۔

۳۔ پتنگ اکثر مکانوں کی چھت پر کھڑے ہو کر اُڑائے جاتے ہیں جس سے آس پاس والے گھروں کی بے پردگی ہوتی ہے۔

۴۔ بعض اوقات پتنگ اڑاتے اڑاتے پیچھے کو ہٹتے ہیں اور نیچے گر جاتے ہیں، چنانچہ اخبارات میں اس قسم کے واقعات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس میں اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا ہے جس پر آڑ نہ ہو۔

۵۔ بے جا مال صرف کرنا تبذیر اور حرام ہے، قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو شیطان کے بھائی قرار دیا

گیا ہے۔

پتنگ بازی کا باہم مقابلہ معصیت میں تسابق وتفاخر ہے جو حرام ہے اور اس پر کفر کا خطرہ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (احسن الفتاویٰ، ج:۸،ص:۱۷۶)

پتنگ بازی کی خرابیاں

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اپنی کتاب اصلاح الرسوم میں پتنگ بازی کی مندرجہ ذیل خرابیاں بیان کرتے ہیں:

''اب کنکوے (پتنگ) کی نسبت بھی سن لیجیے جس قدر خرابیاں کبوتر بازی میں ہیں قریب قریب اس میں بھی موجود ہیں۔

(۱) کنکوے (پتنگ) کے پیچھے دوڑنا، جس میں پیغمبر ﷺ نے کبوتر کے پیچھے دوڑنے والے کو شیطان فرمایا۔

(۲) دوسرے کے کنکوے (پتنگ) کو لوٹ لینا، جس کی ممانعت حدیث شریف میں صراحتاً وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نہیں لوٹتا کوئی شخص ایسا لوٹنا جس کی طرف لوگ نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہوں اور پھر بھی وہ مؤمن رہے۔

(بخاری، مسلم)

یعنی یہ خصلت ایمان کے خلاف ہے۔

(۳) ڈور کو لوٹ لینا، اس میں پتنگ لوٹنے سے بھی زیادہ قباحت ہے، کیونکہ پتنگ تو ایک ہی ہاتھ میں لگتی ہے اور وہی گناہگار ہوتا ہے جب کہ ڈور تو بیسیوں آدمیوں کے ہاتھ لگتی ہے اور سب گناہگار ہوتے ہیں اور اس کا سبب وہی پتنگ باز ہے۔

(۴) ہر شخص کی نیت یہ ہوتی ہے کہ دوسرے کی پتنگ کاٹوں اور اس کا نقصان کروں تو مسلمان کو نقصان پہنچانا حرام ہے۔

(۵) نماز سے غافل ہو جانا، جسے اللہ نے شراب اور جوئے کے حرام ہونے علت بتلایا ہے۔

(۶) اکثر کوٹھیوں کی چھتوں پر کنکوے اڑانے سے آس پاس والوں کی بے پردگی ہوتی ہے۔

(۷) بعض اوقات کنکوہ چڑھاتے وقت پیچھے کو ہٹتے جاتے ہیں اور کوٹھے سے نیچے گر پڑتے ہیں۔

(۸) ایک خاص خرابی یہ ہے کہ آلہ علم کی توہین ہوتی ہے کیونکہ گڈی کاغذ سے بنتی ہے۔

(۹) ان سب کھیلوں میں مال مفت کا ضائع ہوتا ہے اور فضول خرچی کا حرام ہونا قرآن سے ثابت ہے۔ (بسنت کیا ہے؟، ص: ۷۸، ۷۹)

بسنت ایک گستاخ رسول کی یادگار

مشہور سکھ مؤرخ بی ایس نجار لکھتے ہیں:

بسنت کا میلہ جنوری میں حقیقت رائے کے مرگھٹ پر منعقد ہوتا تھا جو کہ کوٹ خواجہ سعید نامی گاؤں کے قریب ہے، یہ میلہ سرسوں کے پھول پھلنے پھولنے کے موسم میں قائم ہوتا تھا اور اس کے منانے والے زرد پوشاک اوڑھتے اور اس میں سرسوں کے پھول اٹکاتے تھے۔

یہ میلہ حقیقت رائے کی موت کی یادگار تھا جو کہ سیالکوٹ کے کھتری خاندان کے ''باغ مل'' کا اکلوتا بیٹا تھا، اس کی موجودگی میں ایک لڑکے نے اپنے استاد کے سامنے ہندو اوتاروں کے متعلق کچھ ناشائستہ الفاظ کہے، جوان حقیقت رائے (المولد: ۱۷۱۹ء) یہ برداشت نہ کر سکا اور اس نے ردعمل کے طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں سخت گفتگو کی، پس لاہور میں ایک ڈرامائی کھیل کھیلا گیا اور اسے موت کے فیصلے تک پہنچا دیا گیا، پھر حقیقت رائے کو ایک ستون سے باندھا گیا اور اس وقت تک مارا گیا، جب تک اس کی جان نہ نکلی، اس کی یہ موت ۱۷۳۴ء میں ہوئی، اس وقت پنجاب کی تمام غیر مسلم آبادی حقیقت رائے کی موت پر رو رہی تھی۔

(پنجاب آخری مغل دورِ حکومت میں، ص: ۲۷۹)

سید محمد لطیف اپنی کتاب تاریخ لاہور میں لکھتے ہیں:

سمادھ حقیقت رائے لاہور سے دو میل کے فاصلہ پر مشرقی جانب موضع کوٹ خواجہ سعید کے مشرق میں واقع ہے، حقیقت رائے سترہ سال کی عمر کا ایک ہندو لڑکا تھا، وہ حاکم لاہور نواب خان بہادر کے دور میں ایک مدرسہ میں پڑھتا تھا، اس کا مسلمان لڑکوں سے جھگڑا ہو گیا اور اس نے ان لڑکوں کی طرف سے دیوتاؤں کے لئے ناشائستہ زبان استعمال کرنے کے ردعمل کے طور پر جواباً اسی قسم کے کلمات کہہ ڈالے،

اس کو قاضی کے پاس لے جایا گیا، اس نے پیغمبر کے خلاف ناشائستہ زبان ستعمال کرنے پر اس کو سزائے موت سنا دی، یہ معاملہ حاکم لاہور کے سامنے پیش ہوا تاہم اس نے قاضی کے فیصلے کی توثیق کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ اگر یہ لڑکا اسلام قبول کرلے تو اس کی سزا معاف ہوسکتی ہے، حقیقت رائے اپنے آباؤ اجداد کے مذہب پر خلوص دل سے کار بند تھا، اس نے دین اسلام کی دعوت کو رد کر دیا اور پھانسی چڑھ گیا، ہندو اس کے مقبرے کی بہت زیادہ تعظیم کرتے ہیں اور کثیر تعداد میں جا کر اس کے آگے سر جھکاتے ہیں، اسی سمادھ پر بسنت بہار کا میلہ منعقد ہوتا ہے۔ (تاریخ لاہور، ص:۲۳۴)

ڈاکٹر انجم رحمانی لکھتے ہیں:

حقیقت رائے بھی سیالکوٹ کے باغ مل کا بیٹا تھا جسے بسنت پنجمی کے دن مارا گیا، اس کی سمادھی لاہور میں بنائی گئی تھی اور تقسیم ملک کے وقت سے وہاں پر ہر سال بسنت پنجمی کے موقع پر بڑا زبردست میلہ لگتا تھا۔ اس کے ذریعے پنجاب کے لوگوں کو یہ سبق سکھایا جاتا ہے کہ حقیقت رائے کی طرح تعصب اور ناانصافی کے آگے ہتھیار ڈالنے کے بجائے جان دینا بہتر ہے۔

(پنجاب، تمدنی و معاشرتی جائزہ، ص:۴۲۶)

بسنت منانے والے مسلمان سوچیں کہ ہندو اس کے ذریعے کیا سبق پڑھانا چاہتا ہے؟

نذیر احمد چوہدری لکھتے ہیں:

لاہور میں بسنت کو بطور تہوار منانے کا آغاز ۱۷۴۷ء میں ہوا، ایک روایت کے مطابق ایک ہندو لڑکے حقیقت رائے دھرمی کی سمادھی پر ہندوؤں نے پیلے رنگ کے کپڑے پہن کر حاضری دی، حقیقت رائے نامی جوان کا تعلق سیالکوٹ سے تھا، وہ اس وقت کے رواج کے مطابق مسلمانوں کے ساتھ تعلیم حاصل کرتا تھا، مکتب میں کسی بات پر اس کا جھگڑا کسی مسلمان طالبعلم سے ہوگیا جس کے بعد حقیقت رائے نے حضور نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کی، چنانچہ یہ مقدمہ لاہور کے ایک قاضی کی عدالت میں پیش ہوا، دوران مقدمہ ہندوؤں نے یہ مؤقف پیش کیا کہ مسلمان طالبعلم نے پہلے ان کے اوتاروں کو برا بھلا کہا تھا، مگر وہ قاضی کو دلائل سے قائل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے، قاضی نے حقیقت رائے کو سزائے موت سنا دی، چنانچہ ۱۷۴۷ء میں اسے لاہور میں پھانسی دے دی گئی، جس جگہ اسے

پھانسی دی گئی وہ گھوڑے شاہ (باغبانپورہ) کے علاقے میں تھی۔ ہندوؤں کے نزدیک حقیقت رائے نے ہندو دھرم اور اوتاروں کے لئے قربانی دی تھی، اس لئے انہوں نے اس دن گستاخ رسول ﷺ کی یاد منانے کیلئے رنگ بکھیرا، پتنگ بازی کی اور اس کا نام بسنت رکھا۔ بعد میں اس مقام پر ایک مندر تعمیر کیا گیا، جہاں اس کی موت کے دن ہندو مرد زرد رنگ کی پگڑیاں اور عورتیں زرد رنگ کی اوڑھنیاں پہن کر حاضری دیتیں اور منتیں مانتی تھیں۔ (بسنت لاہور کا ثقافتی تہوار، ص:۱۶)

ان تحریرات کی روشنی میں یہ بات بالکل کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ بسنت ایک خالص ہندوانہ تہوار ہے، ہندو ایک گستاخ رسول ﷺ کی یاد مسلمان حکمرانوں کے ڈر سے کھلے عام نہ منا سکے، لہٰذا انہوں نے چھپ چھپا کر خاموشی سے حقیقت رائے کی سمادھ پر بسنت میلے کا آغاز کر دیا اور آج افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اتنے روشن تاریخی حقائق کے باوجود مسلمان بسنت منانے میں ہندوؤں کے قدم بہ قدم شریک ہیں، مسلمان اس غیرت مند قاضی کی تاریخ تو محفوظ نہ رکھ سکے، اس کی کوئی یادگار قائم نہ کر سکے جس نے اس گستاخ کو موت کے گھاٹ تک پہنچانے کے لئے جرأت مندانہ فیصلہ دیا، اس استاد مکتب کا نام بھی تاریخ کے اوراق میں ڈھونڈے نہیں ملتا جس نے اس گستاخ کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا۔ ہندوؤں نے محض اس لئے حقیقت رائے کی تاریخ محفوظ رکھی اور اس کی یادگار قائم کر لی کہ وہ ہمارے نبی کریم ﷺ کا گستاخ تھا۔ آج المیہ یہ ہے کہ ہم بھی ہندوؤں کے ساتھ حقیقت رائے یعنی گستاخ رسول ﷺ کی یادگار منانے میں سرگرم نظر آتے ہیں۔

ایک گستاخ رسول ﷺ کے ساتھ نفرت کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم اپنے ملک سے اس یادگار کی جڑیں اکھیڑ دیں، اگر اتنی قوت نہیں تو کم از کم خود کو اس آگ سے دور رکھیں۔

اسلامی معاشرے پر ہندو تہذیب کے اثرات کیسے پڑے؟

دسویں صدی ہجری میں تاریخ اسلامی کے پہلے ان پڑھ بادشاہ جلال الدین اکبر نے فضل اور فیضی جیسے درباری ملاؤں کے اضلال پر ''دین الٰہی'' کی بنیاد رکھی اور اسلام کی اصل تصویر کو مسخ کر دیا۔ اس کی دیگر خرابیوں کے ساتھ ساتھ ایک واضح خرابی یہ تھی کہ اس نے ہندو لڑکیوں سے شادی کو حلال قرار دیا تھا۔ اکبر بادشاہ نے اس کا آغاز اپنی ذات سے کیا اور راجہ ''بہاری مل'' کی بیٹی اور راجہ ''بھگوان

داس'' کی بہن کو اپنے حرم میں داخل کر دیا۔ کچھ عرصے بعد اس نے ریاست جودھ پور کی رانی جودھ بائی سے شادی رچالی۔ ان ہندو رانیوں نے اکبر کے حرم میں داخل ہو کر قصر سلطانی کو ہندوانہ رسم و رواج کا اکھاڑا بنا دیا۔ دین اکبری کے پیروکاروں نے اپنے بادشاہ کی اقتدا کی اور دھڑا دھڑ ہندو لڑکیاں ان کے آنگنوں میں آ بیٹھیں، یہ پہلا موقع تھا جب ہندوانہ رسم و رواج، تہوار اور میلے مسلمان کہلانے والوں کے گھروں میں باقاعدہ منائے جانے لگے۔ یہیں سے ہمارے معاشرے میں ان بے ہودہ رسموں کی داغ بیل پڑی، اس سلسلے کو مزید ترقی ملی اور رفتہ رفتہ ہندو مذہب کے خاص خاص شعائر یعنی گائے ذبح کرنے کی ممانعت، داڑھی منڈوانا، آفتاب کے رخ بیٹھ کر جھروکا درشن، بھدرا کروانا اور قشقہ لگوانا بھی دین اکبری کے لازمی اجزاء بن گئے جو سرکاری طور پر نافذ کر دیئے گئے۔

مجدد الف ثانیؒ کی قربانیوں سے دین اکبری کا سورج غروب ہوا تو ہندوانہ عقائد بھی اسلامی معاشرے سے دم توڑ گئے، لیکن بعض رسومات اور مخلوط میلوں ٹھیلوں کا زہر کسی نہ کسی درجے میں بہرحال باقی رہا، اس کے علاوہ قصبوں دیہاتوں میں ہندو مسلم اکٹھے رہتے تھے، جہاں بہت سی ہندوانہ توہمات اور رسومات نے اسلامی تہذیب پر اپنا اثر چھوڑا۔

اسلامی معاشرے میں بسنت کا آغاز

بسنت کے بارے میں چونکہ یہ بات تاریخی شواہد سے ثابت شدہ ہے کہ یہ حقیقت رائے کی موت سے قبل بھی ہندوؤں کا ایک موسمی میلہ تھا اور حقیقت رائے کے عبرتناک انجام کے بعد تو اسے خالص مذہبی رنگ مل گیا تھا، لیکن اس کے باوجود تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا اثر گزشتہ تمام ادوار میں مسلمان معاشرے کے اندر رہا ہے، بسنت کے اثرات مسلمان معاشرے میں کیسے داخل ہوئے، آیئے تاریخ کی روشنی میں پڑھتے ہیں۔

سید صباح الدین عبدالرحمٰن لکھتے ہیں:

مسلمانوں نے بھی بسنت منانا شروع کیا اور اس کی ابتدا اس طرح بتائی جاتی ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے محبوب بھانجے مولانا تقی الدین نوح کا عین شباب میں انتقال ہو گیا، حضرت خواجہ کو اس سے بڑا صدمہ پہنچا، چھ مہینے تک مہر سکوت طاری رہی، اس کی وجہ سے امیر خسرو بھی مغموم رہتے

تھے اور برابر اس فکر میں رہتے تھے کہ کس طرح مرشد کا غم غلط ہو، بسنت کا میلہ تھا، ہندو دہلی میں کالکا جی کے مندر پر سرسوں کے پھول چڑھا رہے تھے اور مست ہو کر ترانے الاپ رہے تھے، خسرو بھی اس کو دیکھ کر بے خود ہو گئے، فارسی اور ہندی کے چند اشعار موزوں کیے، سرسوں کے پھول توڑے اور پگڑی کو کج کر کے مستانہ شان پیدا کی اور جھومتے جھامتے اشعار پڑھتے حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اس وقت بھانجے کے مزار پر تھے، امیر خسرو کی مستانہ ادا دیکھ کر اور ان کے اشعار سن کر تبسم فرمایا تو امیر خسرو کا کام بن گیا، کہ شیخ کا غم و سکوت ٹوٹ گیا۔ اس روز سے دہلی میں جب ہندو کالکا جی کے مندر پر جاتے تو دہلی اور قرب و جوار کے (نام نہاد) صوفیہ قوالوں کو لے کر سرسوں کے پھول ہاتھ میں لئے اشعار پڑھتے ہوئے مولانا تقی الدین کے مزار پر جاتے ہیں اور وہاں سے حضرت خواجہ کے مزار اقدس پر آتے ہیں۔ (مغل شہنشاہوں کے شب و روز، ص: ۳۴۷)

مغل دربار میں بڑی دھوم دھام سے یہ تہوار (بسنت) منایا جاتا تھا اور نگزیب عالمگیر کے دور میں دربار سے اس کا رواج اٹھا گیا تھا، لیکن اس کے جانشینوں کو اس سے بڑی دلچسپی تھی، شاہزادہ عظیم الشان شان اس دن زرد لباس پہنا کرتا تھا، شاہ عالم ثانی اور بہادر شاہ ظفر کے دور حکومت میں شاہی محل میں جس شان و شوکت سے یہ جشن منایا جاتا تھا، اس کی عکاسی شاہ عالم ثانی نے خود نادرات شاہی کے اشعار میں کی ہے:

آج لے لے آئیں سب سکھی مل یہ نیکو رنگ
نئے نئے پھولن سوں کھیلن شاہ عالم کے سنگ

(ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر، ص: ۱۷۴)

ان تحریرات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہندوانہ رسم و رواج کا اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی معاشرے پر گہرا اثر ڈالنے میں اکابر صوفیاء کی محبت اور جانشینی کا دعویٰ رکھنے والے مبتدع مزاج جدت پسندوں، روشن خیالوں اور بے لگام عیش پرست بادشاہوں کا بڑا دخل رہا ہے، ہندو درباروں تک خوشامدوں کے ذریعے رسائی حاصل کرتے اور پھر غافل حکمرانوں کو ان چیزوں میں مبتلا کر دیتے، ان اقتباسات سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اگر کہیں اقتدار صاحب علم و عمل لوگوں کے ہاتھ میں آیا ہے

تو انہوں نے امت کو اس گرداب سے چھٹکارا دلایا ہے جیسا کہ مؤرخ نے عظیم مسلمان حکمران اورنگزیب عالمگیر کے متعلق لکھا ہے لیکن افسوس! ان کے جانشین ان کی روایت برقرار نہ رکھ سکے۔

مصنف آگے جا کر لکھتے ہیں:

درحقیقت ۱۸۵۷ء تک آگرہ اور دہلی کے مسلمان اور بالعموم شمالی ہند کے مسلمان یہ میلہ بڑی دھوم دھام اور جوش و خروش سے مناتے تھے، حیات جاوید میں لکھا ہے کہ بسنت کے جو میلے ہوتے تھے، سرسید احمد خان بھی ان میں شرکت کرتے تھے، خواجہ فریدؒ کے مزار پر چونسٹھ کھمبے ہیں جہاں بسنت کا میلہ ہوتا تھا اس میں وہ اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ منتظم و مہتمم ہوتے تھے۔

(ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر، ص:۱۷۹، ۱۸۰)

معلوم ہوا کہ بسنت کے میلے کا رواج ہندوؤں کے ساتھ ساتھ ان جدت پسند مسلمانوں کے گرد بھی گھومتا رہا ہے جو دانستہ یا نادانستہ اسلامی تہذیب و تمدن کی بیخ کنی میں مصروف رہے ہیں۔

بسنت کو حقیقی پذیرائی کب ملی؟

پنجاب پر راجہ رنجیت سنگھ کی حکومت آئی تو بسنت عروج پر جا پہنچا، راجہ نے بسنت کو خوب ترقی دی، راجہ خود میلے میں شرکت کرنے آتا، وہ اور اس کے درباری زرد لباس اور پگڑیاں پہن کر ہاتھیوں اور گھوڑوں پر سوار ہوتے، ان کا جلوس قلعہ لاہور اور شالامار باغ کی طرف روانہ ہوتا، پھر ''حقیقت رائے'' کے سمادھ پر حاضری دی جاتی، اس تمام تر راستے میں یہ جلوس سرسوں کے کھیتوں سے گزارا جاتا، تاکہ پھولوں کے ساتھ زرد لباس کی میچنگ دلفریبی کا باعث بنے۔

سید محمد لطیف نے اپنی کتاب ''تاریخ لاہور'' میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بسنت کے موقع پر مشاغل کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے جس کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ ہندوستان میں بسنت کو سرکاری سطح پر عروج رنجیت سنگھ کے دور میں ملا۔

جشن بہاراں

جب انگریزوں نے ہندوستان میں قدم جمانا شروع کئے تو ان کی کوشش رہی کہ ایسے مقامی

تہواروں کو سرکاری سرپرستی میں لیا جائے جو عوام کے اخلاق پر منفی اثر ڈالیں تا کہ ان تہواروں کو مزید ترقی دی جا سکے اور ہندوستانی قوم کو اخلاقی طور پر مزید پاتال میں گرایا جا سکے، انہوں نے اس مقصد کیلئے بسنت کو انتہائی مناسب سمجھا، جان لارنس لاہور میں انگریز گورنر جنرل کا سیاسی نمائندہ تھا، اس نے سب سے پہلے ۱۸۴۸ء میں ''جشن بہاراں'' منانے کا اعلان کیا، یہ بسنت کا ہفتہ بھی کہلایا، اسی ہفتے لاہور میں ناچ گانے، پتنگ بازی اور شراب کا عام استعمال ہوا، اس ہفتے ان تمام تر جرائم کو نا قابل دست اندازی پولیس قرار دیا گیا، مؤرخین کے مطابق اس دن لاہور کے شرفاء گھروں تک محدود رہے اور انہوں نے باہر بالکل قدم نہیں رکھا تا کہ گلی کوچوں میں شراب کے نشے میں دھت غنڈوں کی بدتمیزی کا شکار نہ ہو جائیں۔ جان لارنس کے ۱۵۴ سال بعد ۲۰۰۲ء سے ایک دفعہ پھر لاہور میں شہری سطح پر بسنت منانے کا رواج پڑ گیا ہے۔

ایک اخباری رپورٹ کے مطابق گذشتہ صدی میں ۸۰ کی دہائی کے آخر تک پتنگ بازی یا بسنت صرف لاہور تک محدود تھی یا قصور میں کسی حد تک لوگ اس کا شوق رکھتے تھے، لاہور میں بھی اسے شرفاء کا مشغلہ قرار نہیں دیا جاتا تھا، مگر ۸۰ کی دہائی میں اس کھیل نے زور پکڑا اور اہل لاہور اسے ایک تفریح کے طور پر منانے لگے، اندرون شہر کے بعض محلوں میں بسنت کو عید کی طرح ایک تہوار کی حیثیت حاصل ہے اور لوگ اس موقع پر ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیتے ہیں، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر بہو بیٹیوں کو عیدی کی طرح بسنت پر بھی رقم دیتے ہیں، اس روایت کی سختی سے پابندی کی جاتی ہے، ۸۰ کی دہائی کے آخر تک بسنت کے موقع پر پتنگ بازی اور زیادہ سے زیادہ کسی مکان کی چھت پر لائٹنگ اور اسپیکر کا بندوبست ہو جایا کرتا تھا، باجے بجتے تھے، بوکاٹا کے نعرے لگتے تھے، بھنگڑا ڈالا جاتا تھا، کھانے پکتے تھے اور بس۔

۹۰ کی دہائی کے اوائل میں نائٹ بسنت نے رواج پکڑا، فلڈ لائٹس آئیں مگر صرف چند دولت مند افراد کی چھتیں ہی روشن ہوا کرتی تھیں، جہاں رات بھر موسیقی کا طوفان بپا رہتا اور پتنگیں اڑائی جاتیں، اہل محلّہ کبھی ایسے ماحول کو برداشت نہیں کرتے تھے، بلکہ ایسا کرنے والوں کو چھچھورا اور نو دولتیا کہہ کر پکارا جاتا تھا، انہی ایام میں ہوائی فائرنگ کی رسم بھی اس تفریح میں شامل ہو گئی اور اس طرح سے نام

نہاد تہوار عذاب بننے کی طرف گامزن ہو گیا۔ مگر اس دور میں پولیس بہر حال متحرک رہا کرتی تھی، سیڑھیاں لگا کر چھتوں پر چڑھنا اور فائرنگ کرنے والوں کی پکڑ دھکڑ ہوتی تھی، اگلی صبح لوگ تبصرے کرتے کہ فلاں کے گھر چھاپہ پڑا، فلاں گرفتار ہوا وغیرہ وغیرہ، فائرنگ کے باوجود یہ تہوار ہلاکت خیز یا یوم قتل عام نہیں بنتا تھا، وجہ یہ تھی کہ پتنگ اڑانے کیلئے استعمال ہونے والی ڈور زیادہ سے زیادہ نائیلون کی ہوتی تھی، عمومی ڈور پر باریک پسا ہوا کانچ اور بے ضرر اشیاء کلی ہوتی تھیں، جو پتنگ بازوں کی انگلیوں پر ہلکے چرکے تو لگا دیتی تھی، مگر گلے نہیں کاٹا کرتی تھی۔

بسنت کے قتل عام میں بدلنے کا آغاز اکیسویں صدی کے آغاز سے ایک دو سال قبل ہوا اور اسے مزید ترقی اس وقت ملی جب دوستی بس سروس نے پاک بھارت آمد و رفت میں آسانی پیدا کی، ہوا یہ کہ بھارت سے خصوصی قسم کی ڈور منگوائی جانے لگی جس کو کانچ کے ساتھ لوہے کے برادہ سے آلودہ کیا ہوا ہوتا تھا۔ پہلی بار یہ ڈور ۲۰۰۱ء میں پاکستان آئی اور لاہور میں ایک دن کے اندر ۳۰ افراد ذبح کر گئی، اس ڈور کے آنے سے پتنگ بازی کا رنگ و رقص والا تہوار خون سے بھی آلودہ ہو گیا، جس پر ہر شخص چیخ رہا ہے، ۲۰۰۲ء میں اسے سرکاری سرپرستی میں منایا گیا اور اس وقت پاکستان کے سربراہ پرویز مشرف اسے ترقی دینے میں پیش پیش تھے، لہٰذا اس کے بعد سے یہ بسنت کھلی لاقانونیت، قتل و خونریزی اور فحاشی و عریانی کا ایک بہت بڑا ذریعہ بن گیا ہے۔ اب فائرنگ، ہاؤ ہو اور ہر چھت پر موسیقی کا طوفان ہی نہیں بلکہ باقاعدہ مجروں نے رواج پکڑ لیا ہے۔ ۲۰۰۲ء کے بعد سے لاہور کے ہر بڑے ہوٹل یا پلازہ کی چھت پر مجرے ہوتے ہیں، ملک بھر کی بازاری عورتیں ناچتی گاتی اور گل کھلاتی رہتی ہیں، شراب و کباب کی محفلیں کھلے عام سجتی ہیں، چھتوں کے اوپر آوارہ گرد مخلوق بوکاٹا کے نعروں میں جشن منا رہی ہوتی ہے اور نیچے پتنگ کے دھاتی ڈورے معصوموں کے جسم و جاں سے کھیل رہی ہوتی ہیں۔

چونکہ پتنگ باز دھاتی تار استعمال کرتا ہے، لہٰذا اس تار کی پتنگ جیسے ہی بجلی کی تاروں پر گرتی ہے فیڈر ٹرپ کر جاتا ہے، کئی زندگیاں ضائع ہو جاتی ہیں، بعض اوقات ٹرانسفارمر اڑ جاتے ہیں، اور کبھی کبھی گرڈ اسٹیشن تک کو نقصان پہنچ جاتا ہے، جھٹکوں کی وجہ سے بجلی کی بار بار بندش ہوتی ہے جس کی وجہ سے صارفین کے فریج، مشینیں اور دیگر برقی آلات جل جاتے ہیں۔ منانے والوں کے ذہن میں پتہ

نہیں اتنی واضح بات کیوں نہیں آتی کہ یہ کیسی تفریح ہے؟ جس میں دوسروں کے اموال اور زندگیوں کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے، حالانکہ یہ تفریح نہیں بلکہ وہ عفریت ہے جو ہر سال پاکستان کے مظلوم شہریوں پر بدعقل ارباب بست و کشاد کی طرف سے مسلط کر دیا جاتا ہے اور وہ مظلوم عوام کا خون چوس لیتا ہے۔

بسنت ایک گستاخ رسول ﷺ کی یاد میں منائی جانے والی رسم ہے، بال ٹھاکرے جیسے متعصب اور اسلام و پاکستان دشمن ہندو پاکستان میں بسنت کے انعقاد کو ہندوؤں کی عظیم کامیابی کہا کرتے تھے۔ مقام عبرت ہے ہمارے حکمرانوں اور بدعقل پتنگ بازوں کیلئے کہ وہ مسلمان کہلانے کے باوجود اپنے پیارے نبی ﷺ کے گستاخ کی یادگار مناتے ہیں، الامان والحفیظ۔

ایک طوفان بدتمیزی برپا ہے، ذرا سوچئے تو سہی! ہمارا ملک کہاں کھڑا ہے؟ جس ملک کی نصف سے زیادہ آبادی ان پڑھ ہو، جس ملک کے اسی فیصد باسی صاف پانی پینے کیلئے ترس رہے ہوں، جس ملک کے ہسپتال بنیادی سہولتوں سے محروم ہوں، جس ملک کے نوجوان بے روزگاری کی وجہ سے خودکشیاں کر رہے ہوں، جس ملک کو چاروں طرف سے دشمن گھیر چکا ہو، جس ملک کے گلی کوچے قتل و غارت گری کے بازار بن چکے ہوں، جس ملک میں لوٹ کھسوٹ، بددیانتی، بدامنی اور پولیس گردی عام ہو، جس ملک کا غریب سبزی اور دال خریدنے کی سکت نہ رکھتا ہو اور جس ملک کا بچہ بچہ قرضوں کے بوجھ تلے دب کر سسک رہا ہو، اس ملک کے باسیوں کا بسنت جیسے تہواروں پر خزانوں کے منہ کھول کر یوں رقم بہانا اپنی قوم کو ذبح کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟ کون بے وقوف ہوگا جو اسے امیج بہتر کرنے کا سبب کہے گا؟ کون ہوگا جو ایسی صورتحال میں بسنت جیسی واہیات رسموں کو روشن خیالی سے تعبیر کرے گا؟ شائد اس سے بڑھ کر تاریک خیالی کا تو کہیں وجود ہی نہ ہو۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ مسلمانان پاکستان کو بسنت جیسی قبیح رسموں سے نجات دلائے اور ہنود و یہود کی مسلط کردہ تہذیب کو پرے پھینکنے کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔

(اس فصل میں کتابوں کے دیئے گئے حوالے اصل کتابوں کے ان عکسوں سے ماخوذ ہیں جو مفتی ابولبابہ صاحب زید مجدہم نے بسنت کیا ہے؟ نامی کتاب میں جمع فرمائے ہیں۔)

☆☆☆

فصل پنجم

اپریل فول ڈے ایک قبیح رسم

اپریل کی آمد اور ہماری کارستانیاں

اپریل کا مہینہ جب بھی قریب آتا ہے، نجانے کتنے لوگ غم واندوہ کا شکار ہوتے ہیں، کتنے ہارٹ اٹیک ہوتے ہیں، کتنے لوگ چیخ وپکار کرتے ہیں، کتنے نوجوان دھوکے کا نشانہ بن کر جلد بازی میں گاڑیاں ٹکرا دیتے ہیں اور کتنے افراد پر سکتے طاری ہوتے ہیں۔ افسوس! مغرب کی بلا سوچ سمجھے تقلید نے ہماری سنجیدگی، متانت اور وقار ہم سے چھین لیا ہے، ہم اتنا بھی نہیں سوچتے کہ ان افعال شنیعہ کی وجہ سے ہم انسانیت کا آخری درجہ عبور کر کے حیوانیت کی سرحد چھو رہے ہیں۔

ایک زہریلا جانور جس طرح اس احساس سے عاری ہوتا ہے کہ اُس کا ڈسنا دوسرے کی زندگی کا خاتمہ تو کر سکتا ہے، خود اُسے رائی برابر فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ ہم بھی اُس زہریلے ناگ کی طرح تمیز کھو بیٹھے ہیں اور یکم اپریل کا سورج طلوع ہوتے ہی لوگوں کی زندگیوں سے خطرناک اور بے ثمر کھیل کھیلنا شروع کر دیتے ہیں۔ کوئی یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ میری ہذیان گوئی سامنے والے کے لیے کتنی اذیت کا باعث بن رہی ہے یا یہ اُس کی زندگی بھی لے سکتی ہے بلکہ صرف اپنے شیطانی جذبات کی حرارت کو تسکین دینے کے لیے اخلاق وشرافت کی تمام حدود روند دیئے جاتے ہیں اور جو سب سے بڑا دھوکہ باز ثابت ہو اور سب سے بڑا جھوٹ گھڑ کر اعمال نامہ سیاہ کرے، اُسے فن کا ماہر اور باکمال سمجھا جاتا ہے اور اُس کی بداعمالی پر سرعام تعریف کے ڈونگرے برسائے جاتے ہیں۔

بندہ کے سامنے اپریل فول ڈے پر رونما ہونے والے غیر معمولی نقصان دہ واقعات کی اچھی خاصی فہرست ہے، لیکن اُن واقعات کو رقم کرنا شاید کارگر نہ ہو کیونکہ ہر سال اخبارات میں نقصانات کی خبریں اور رپورٹیں ایک بڑی تعداد میں شائع ہوتی ہیں۔ نقصانات سامنے آنے کے باوجود بھی ہمارا دماغ ٹھکانے نہیں لگتا۔ غلامی کا ناسور ہمیں اس درجہ لاحق ہو چکا ہے کہ یہ قبیح رسم بجائے ختم ہونے کے آئے

سال ترقی کرتی جارہی ہے اور اب تو اچھے خاصے سنجیدہ کہلانے والے حضرات بھی اسے کھیل تماشا اور مذاق کا حصہ قرار دے کر اس میں ملوث نظر آتے ہیں اور انتہائی جرأت کے ساتھ اس کے جواز پر دلائل بھی جھاڑتے ہیں۔ فیا للعجب

اپریل فول کیا ہے؟ اس کا آغاز کہاں سے ہوا؟ یہ کس عقیدت کی بنیاد پر وجود میں آیا؟ آیئے! ان تمام سوالوں کو لے کر کوچۂ تاریخ کا سفر کرتے ہیں شاید کوئی حقائق کی زبان اور دل کا درد سمجھ لے اور اس پھیلتی وبا کے راستے میں بند باندھنے کا عزم مصمم کرلے۔

اپریل فول کیا ہے؟

''اپریل فول'' جھوٹ، دھوکہ دہی اور اذیت رسانی کا دوسرا نام ہے، انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا ''اپریل فول'' کا تعارف اس انداز میں کرتا ہے:

April Fool Day also called ,,All Fools Day,, first Day of April named from The custom of playiang Practical jokes or Sending friends on fools errands an date. (Britannica,1:496)

یعنی ''اپریل فول'' اپریل کا پہلا دن ''آل فولز ڈے'' کے نام سے بھی مشہور ہے، یہ نام اس لیے رکھ دیا گیا کہ اس دن لوگ ہر قسم کا مذاق کر لیتے ہیں۔ مثلاً کسی دوست کو اس دن کسی ایسے کام سے بھیج دینا جس کا وجود ہی نہیں۔

ہمارے ہاں کسی کو سنسنی خیز جھوٹی خبر دینا اپریل فول کا خاص حصہ سمجھا جاتا ہے، مثلاً کسی کو باپ کے ایکسیڈنٹ کی خبر دینا، جھوٹی اطلاع پر دور دراز علاقے سے لوگوں کو بلا لینا وغیرہ وغیرہ

الغرض دوسرے انسان کو بے وقوف بنا کر جھوٹ اور دھوکے سے اذیت پہنچانا ''اپریل فول'' کا مقصد ہے، یہ گناہ بے لذت کب سے شروع ہوا؟ اس بے فائدہ اور ضرر رساں کام کو وجود کب ملا؟ آیئے! تاریخ کے آئینے میں دیکھتے ہیں۔

چونکہ یہ رسم صدیوں سے چلی آرہی ہے اس لئے اس کے آغاز کے بارے میں مؤرخین مختلف آراء رکھتے ہیں۔ ان سب کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

اپریل فول کا آغاز کب ہوا؟

پہلا قول:

اپریل فول کے آغاز کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا لکھتا ہے:

From Roman repulican calender month Aprilis. The Romans Cansidered The Month Saered to The goddes venus and its name may derive from That & her great equivaleut Aphro dita.(Britanaica 8:292)

یعنی فرانس میں سترھویں صدی سے قبل سال کا آغاز جنوری کے بجائے اپریل سے ہوا کرتا تھا۔ اس مہینے کو رومی لوگ اپنی دیوی ''وینس'' (Venus) کی طرف منسوب کر کے مقدس سمجھا کرتے تھے۔ وینس کا ترجمہ یونانی زبان میں ''Aphro dita'' کیا جاتا ہے اور شاید اسی یونانی مفہوم سے مشتق کر کے مہینے کا نام اپریل رکھ دیا گیا۔

استاد محترم شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہم لکھتے ہیں:

بعض مصنفین کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ یکم اپریل سال کی پہلی تاریخ ہوتی تھی اور اس کے ساتھ ایک بت پرستانہ تقدس وابستہ تھا اس لیے اس دن لوگ جشن مسرت منایا کرتے تھے اور اسی جشن مسرت کا ایک حصہ ہنسی مذاق بھی تھا جو رفتہ رفتہ ترقی کر کے اپریل فول کی شکل اختیار کر گیا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس جشن مسرت کے دن لوگ ایک دوسرے کو تحفے دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے تحفے کے نام پر کوئی مذاق کیا جو بالآخر دوسرے لوگوں میں رواج پکڑ گیا۔ (ذکر و فکر، ص:۷۸)

دوسرا قول:

بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ جولین کیلنڈر کا پہلا مہینہ اپریل تھا اور تہذیب روم کے جملہ پیروکار اسی تقویم کے پابند تھے۔ لیکن جب سولہویں صدی عیسوی میں گریگوری اٹلی کے شہر ''ویٹی کن سٹی'' میں پوپ بنا۔ تو اُس نے جولین کیلنڈر کو رد کر دیا اور 1582ء میں نئے کلینڈر کو رواج دے دیا۔ جس میں پہلا مہینہ

جنوری کو قرار دیا۔ اس وقت دُنیائے عیسائیت میں فرانس کا نام نامی عروج پر تھا فرانس نے پوپ کی حمایت حاصل کرنے اور رومی تہذیب کے غلبے کو مٹانے کے لیے یہ موقع بہتر سمجھا اور گریگوری کلینڈر کے نفاذ کا اعلان کر دیا، حکومتی طبقے نے اس اعلان کو بسر و چشم قبول کیا اور نئے کیلنڈر کی اشاعت میں دن رات ایک کر دیئے جب کہ دوسری طرف عوامی اکثریت اس کے خلاف بھپر گئی اور اس تقویم کا نام مٹانے کے لئے حکومت مخالف تحریک شروع کر دی۔ حکومت یکم جنوری کو نیو ائیر ڈے منانے کا اہتمام کرتی، لیکن یہ سب کچھ صرف حکومتی حلقوں تک محدود رہتا اور عوامی اکثریت حسب سابق 25 مارچ سے نئے سال کا تہوار منانے کے لیے تیاریاں شروع کر دیتی۔ حکومت نے بارہا ان پر پابندی لگائی، تشدد آمیز طریقے اختیار کیے، سرکردہ افراد کو جیلوں میں ڈالا گیا، کئی بار خون خرابہ ہوا، لیکن حکومت عوامی احتجاج کو پوری طرح کنٹرول کرنے میں ناکام رہی۔

بالآخر فرانس کے بادشاہ ہنری سوم نے اپنے وزراء اور پادریوں سے اس بارے میں مشاورت کی۔ ایک پادری نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ کسی بھی شخصیت یا تحریک کا اعتماد توڑنے کے لیے یہ کارگر نسخہ ہے کہ اُن کی خوبیوں کا مذاق اُڑانا شروع کر دیا جائے۔ اس طرح وہ احساس کمتری کا شکار ہو کر خود بخود ٹوٹ جائیں گے۔ بادشاہ نے پادری کی ذہانت کو نگاہِ رشک سے دیکھا اور اس فارمولے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے وزراء کے نام احکامات جاری کر دیئے۔

سرکاری لوگوں نے فرانس کی گلی کوچوں سے شرارتی بچوں، غنڈوں اور آوارہ گردوں کے ٹولوں کو جمع کر کے اور معاوضہ دے کر اس بات پر تیار کیا کہ یکم اپریل کو نیو ائیر ڈے منانے والوں کا مذاق اُڑائیں۔ ان لوگوں نے پورے ملک میں حکومت مخالف لوگوں کا طرح طرح سے مذاق اُڑانا شروع کر دیا، تقریبات منانے والوں پر مزاحیہ جملے کسے جاتے، مردہ مچھلیاں اکٹھی کر کے اُن پر پھینکی جاتیں، اُن کے دروازوں پر مچھلیوں کے پوسٹر آویزاں کر دیئے جاتے، یکم اپریل کو ''اپریل فش'' کے نام سے مشہور کر کے تقریبات منانے والوں کا خوب مذاق اُڑایا گیا۔ چونکہ ان لوگوں کو حکومتی پشت پناہی حاصل تھی اس لیے یہ اپنے مشن میں کامیاب رہے، یکم اپریل کو ''نیو ائیر ڈے'' منانے والے مذاق اور بے وقوف بنانے کے ڈر سے رفتہ رفتہ اپنی تقویم پر اصرار ترک کرنے لگے۔ حتیٰ کہ ایک عرصہ بعد یہ بالکل ہی ختم ہو

گیا، لیکن یکم اپریل کو بے وقوف بنانے اور ہنسی مذاق کرنے کا رواج برقرار رہا اور اسی نے جا کے ''اپریل فول'' کی شکل اختیار کی۔

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا اس حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کرتا ہے:

On April Fools Day All People are given an excuse to play The fool in France The fooled person is called poissand avril (April fish).(Britannica 1:496)

یعنی اپریل فول ڈے پر سب لوگوں کو یہ بہانہ ملتا کہ دوسروں کو بے وقوف بنائیں اور فرانس میں بے وقوف بنائے جانے والے افراد کو (اپریل مچھلی) کہا جاتا تھا۔

جب 1752ء میں برطانیہ نے گریگوری کلینڈر کو تسلیم کیا، تو اسے بھی اُنہی حالات کا سامنا کرنا پڑا جو حکومت فرانس کو درپیش تھے۔ لہٰذا ان لوگوں نے بھی فرانس والوں کی تقلید کی اور اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔ برطانیہ اس دور میں امریکہ کے ستر فیصد حصے پر قابض تھا۔ لہٰذا برطانیہ ہی کے توسط سے ''اپریل فول'' کی رسم امریکہ پہنچی۔

اس کی تائید برٹانیکا کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے:

The custom of playing April Fools jokes was taken to America by The British.(Britannica 1:496)

یعنی ''اپریل فول ڈے'' کو امریکہ میں رواج دینے والے برطانوی انگریز ہیں۔

الغرض اس روایت کے پیش نظر ''اپریل فول'' وہ بے ہودہ تہوار ہے جو بعض لوگوں کو اذیت پہنچانے کے لیے ایک پادری کے مشورے پر شروع کیا گیا لہٰذا کسی مسلمان کہلانے والے کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ عیسائیوں کی تقلید میں جھوٹ، دھوکہ دہی اور ایذا رسائی کا راستہ اختیار کرے۔

تیسرا قول:

برٹانیکا میں اس مذموم رسم کی ایک اور وجہ بھی بیان کی گئی ہے۔

It resembles other festivals. Such as The Hilaria of ancient Rome (March 25).and Holy fastivel of India(Ending March 31) Its timing Seems related to The vernal equinox (March 21) with when natare ,,Fool mantind,, Sudden changes in The weather.(Britannica 1:496)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اپریل فول قدیم رومی تہوار ''ہیلاریا'' کے مشابہ ہے جو 25 مارچ کے بعد منایا جاتا تھا اور بھارت کے تہوار ''ہولی'' کے ساتھ بھی مشابہت رکھتا ہے جو مارچ کے آخر میں منایا جاتا ہے۔ مارچ کے آخر میں منانا اس بات کے ساتھ مربوط ہے کہ 21 مارچ کے بعد موسم میں تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے اور یہ قدرت بندوں کو بیوقوف بنا رہی ہوتی ہے (معاذ اللہ)، کیونکہ وہ اچانک موسم تبدیل کرتی ہے۔

گویا ان بدبختوں کے گندے عقیدے کے مطابق چونکہ اللہ تعالیٰ اس موسم میں لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں اس لیے لوگوں نے بھی آپس میں ایک دوسرے کو بے وقوف بنانا شروع کیا۔ اس روایت کو اگر درست مان لیا جائے تو اپریل فول منانے والے حضرات ذرا تصور کریں کہ اس گندی رسم کا آغاز کتنے خطرناک عقیدے کی بنیاد پر ہوا۔ معاذ اللہ یہ لوگ اپنی فریب کاری، جھوٹ اور دھوکہ دہی کی نسبت صاحب قدرت سے جوڑ رہے ہیں اور آج کا سادہ لوح مسلمان کس قدر نااہلی کا ثبوت دیتے ہوئے اُن کی تقلید میں آنکھیں بند کر کے رواں دواں ہے۔

برٹانیکا کی عبارت میں اپریل فول کو رومی تہوار کے مشابہ کہا گیا ہے لیکن درحقیقت یہی رسم اپریل فول ہے جسے رومی زبان میں ''ہیلاریا'' فرانسیسی میں (Poissondavril) یعنی اپریل فش اور اسکاٹ لینڈ والوں کی زبان میں (Cuckoo) یعنی (گاک یعنی بلبل) کہا جاتا ہے۔

مختلف تعبیرات اختیار کر کے یکم اپریل کو منائے جانے والی اس رسم کی کیفیات اور اس کے طریقے تمام ممالک والوں کے ہاں یکساں ہیں کہ اس دن شراب و شباب کی محفلیں سجانے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو دھوکہ دینے اور بے وقوف بنانے کی کھلی چھوٹ ہوتی ہے۔

چوتھا قول:

''اپریل فول ڈے'' کے بارے میں چوتھی روایت سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ جسے استاد محترم شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے اپنی کتاب ذکر و فکر میں انسائیکلوپیڈیا لاروس کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ حضرت لکھتے ہیں:

اپریل فول کی ایک اور وجہ انیسویں صدی کے معروف انسائیکلوپیڈیا ''لاروس'' نے بیان کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے وہ وجہ یہ ہے کہ ''دراصل یہودیوں اور عیسائیوں کی بیان کردہ روایات کے مطابق یکم اپریل وہ تاریخ ہے جس میں رومیوں اور یہودیوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمسخر اور استہزاء کا نشانہ بنایا گیا''۔

موجودہ نام نہاد انجیلوں میں اس واقعہ کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ لوقا کی انجیل کے الفاظ یہ ہیں: ''اور جو آدمی اسے (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کو گرفتار کیے ہوئے تھے اس کو ٹھٹھے اُڑاتے اور مارتے تھے اور اُس کی آنکھیں بند کر کے منہ پر طمانچے مارتے تھے اور اسے یہ کہہ کر پوچھتے تھے کہ نبوت (الہام) سے بتا کہ کس نے تجھ کو مارا؟ اور طعنے مار مار کر بہت سی اور باتیں اسکے خلاف کہیں''۔

(لوقا ۲۲: ۶۳ تا ۶۵)

انجیلوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودی سرداروں اور فقیہوں کی عدالت عالیہ میں پیش کیا گیا، پھر اُنہیں پیلاطس کی عدالت میں لے گئے کہ ان کا فیصلہ وہیں ہوگا، پھر پیلاطس نے انہیں ''ہیروڈیس'' کی عدالت میں بھیج دیا اور بالآخر ہیروڈیس نے دوبارہ فیصلے کے لیے ان کو پیلاطس ہی کی عدالت میں بھیجا' لاروس کا کہنا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ایک جگہ سے دوسری عدالت میں بھیجنا ان کے ساتھ مذاق اور ان کو اذیت پہنچانے کی وجہ سے تھا چونکہ یہ واقعہ یکم اپریل کو پیش آیا لہٰذا اپریل فول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کی جانے والی ہنسی مذاق اور تمسخر کی یادگار ہے۔

(ذکر و فکر، ص: ۷۸)

نعوذ باللہ اس روایت کے پیش نظر حاصل اور مطلب یہ ہوا کہ یہودی یکم اپریل کو اللہ رب العزت کے برگزیدہ بندے اور جلیل القدر نبی کی توہین کرتے تھے، اُن پر پھبتیاں کستے تھے اور پھر اپریل فول

کے نام سے اس کو یادگار کے طور پر مناتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ مذاق اور تمسخر کر کے اپنے حیوانی جذبات کی تسکین کا سامان پیدا کرتے تھے، لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں غلو کرنے والے نام نہاد عیسائی اور صلیب کے علم برداروں کو ڈوب کر مرنا چاہیے جو ایک طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اتنے گن گاتے ہیں کہ نعوذ باللہ انہیں خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں جب کہ دوسری طرف آپ علیہ السلام کی توہین پر مبنی یادگار کو رواج دینے والے بھی یہی ہیں، یہودیت کے سائے تلے جینے والے انجیل کے علمبردار کس منہ سے محبت مسیح کا دعویٰ رکھتے ہیں؟ جبکہ اس وقت بھی پوری دنیائے عیسائیت ''اپریل فول ڈے'' مزے لے کر منا رہی ہے۔

درحقیقت عیسائیوں کا حضرت مسیحؑ کے ساتھ کیا تعلق؟ اُن کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا کا بیٹا قرار دینا ہی خود حضرت مسیح کی کس درجہ توہین ہے جب وہ اتنی بڑی جسارت کر کے حقیقتاً کسی دین و مذہب کے بھی نہ رہے تو اپریل فول جیسی رسم پر اُن کو غیرت دلانے سے کیا حاصل ہوگا۔

لیکن مقام عبرت ہے آج کے بے عمل مسلمان کیلئے! ہمارے دین میں تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانا، اُن کی عزت اور احترام رکھنا جزء ایمان ہے، کسی بھی نبی کی ادنیٰ درجہ توہین کو ہماری شریعت مطہرہ نے کفر قرار دیا ہے، ایسے میں ہمارا اس قبیح تہوار کے ساتھ تعلق رکھنا جسے عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی یادگار کہا گیا ہو، کیا معنی رکھتا ہے؟

ہر مسلمان پر لازم اور ضروری ہے کہ ہر ایسے تہوار سے بچے جو اغیار اور کفار کا مسلط کردہ ہو اور پھر خصوصاً اُن تہواروں سے جو کسی نبی یا بزرگ ہستی کی توہین کی یاد میں منائی جاتی ہوں اللہ رب العزت ہم سب کو اس رسم سے محفوظ و مامون رکھے۔ (آمین)

پانچواں قول:

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جب اندلس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور انگریزوں نے مسلمانوں کے لٹے پٹے قافلوں کو سمندر پار افریقہ جانے کی اجازت دی تو مسلمان جہازوں میں اپنا بچا کچھا سرمایہ سمیٹ کر روانہ ہوئے، جب وسط سمندر میں پہنچے تو اچانک جہازوں میں پانی بھرنے لگا اور وہ ڈوبنے لگے کیونکہ جہازوں کے تہوں میں بڑے بڑے سوراخ تھے، یہ یکم اپریل تھی اور انگریزوں نے محض

مسلمانوں کا مذاق اڑانے کے لیے یہ سب کچھ کیا تھا۔ لہٰذا باہمی دھوکہ دہی و مذاق کا کھیل یہیں سے شروع ہوا۔ واللہ اعلم

اپریل فول ڈے کی ہندوستان آمد

ہندوستان کے اندر بھی برطانوی انگریز اس قبیح رسم کو لے کر داخل ہوئے، پہلے پہل انگریز یکم اپریل کو باہم جھوٹ و فریب پر مبنی ہنسی مذاق کر کے شیطانی جذبات کو تسکین دے دیتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ انہوں نے ہندوستانیوں کی مشرقی روایات، راست بازی اور دیانت داری کو توڑنے کیلئے اپریل فول کو بھی بطور ہتھیار استعمال کرنے کا سوچ لیا، چونکہ اس رسم میں خبیث الفطرت لوگوں کیلئے جسکے کا مواد کافی حد تک موجود تھا اس لئے اس کی عدم مقبولیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، لہٰذا انگریزوں نے اپنے قریبی ہندوستانیوں کو اس مذموم رسم میں شامل کرنا شروع کر دیا، ان لوگوں نے انگریز کی صحبت کا اتنا اثر تو لے ہی رکھا تھا کہ یہ تحفہ ملتے ہی اس پر تھرکنے لگے اور اسے تفریح کا ایک ذریعہ قرار دے کر اپنے متعلقین کو اس دھارے میں داخل کرنے لگے، رفتہ رفتہ یہ زہر ہندوستانی معاشرے کی رگوں میں سرایت کرنا شروع ہوا، لیکن یہ سب کچھ غیر محسوس طریقے سے تھا اور اسے کھلے بندوں نہیں منایا گیا تھا، لیکن ایک دفعہ اسے سرعام اور علی رؤس الاشھاد منا کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس کا زہریلا مادہ ہندوستان کے طول و عرض میں چھوڑ دیا گیا۔

ہوا یوں کہ بنگال میں ایک دفعہ سخت قحط پڑا، بنگال کی انگریز حکومت نے مارچ کے آخری ہفتے میں اعلان کیا کہ جن لوگوں نے اناج وصول کرنا ہو وہ یکم اپریل کی صبح کلکتہ کی فوجی چھاؤنی کے باہر پہنچ جائیں، لوگوں کو جمع کرنے کا مقصد انہیں اناج کی فراہمی نہیں بلکہ اناج کے نام پر اپریل فول منانا اور انہیں مذاق کا نشانہ بنانا تھا، ہزاروں غمزدہ اور قحط سے نڈھال لوگ خالی بوریاں اٹھا کر تھکے ماندے کلکتہ پہنچے، چھاؤنی کے سامنے ہزاروں افراد کی لمبی قطار کڑکتی دھوپ میں اناج کا انتظار کر رہی تھی کہ دفعتاً چھاؤنی سے فوجی بینڈ باجے لیکر آئے اور ناچنا، ہنسنا اور مذاق کرنا شروع کر دیا، غلہ کے منتظر غریب اور پریشان حال لوگوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے، حقیقت حال معلوم ہونے پر وہ ٹوٹے ہوئے دلوں کے ساتھ گھروں کو لوٹ گئے اور یوں اپریل فول نے پہلی بار ہندوستان میں اپنا سر ابھار لیا۔

ہولی اور اپریل فول

۳۱ مارچ کو ہندو، ہندوستان میں ''ہولی'' کی رسم مناتے ہیں، اس رسم میں وہ آگ کے گرد جمع ہو کر ناچتے ہیں، ایک دوسرے پر رنگ کا چھڑکاؤ کرتے ہیں اور باہم ہنسی مذاق کرتے ہیں، یہ رسم اپریل فول ڈے سے ملتی جلتی تھی، انگریزوں نے اس کا بھی سہارا لیا اور اپنے کلچر کے بعض عناصر اس میں داخل کر کے اسے اپنی تہذیب کے رنگ میں رنگ دیا، یوں ہولی کہلانے والی رسم بھی اپریل فول کا دوسرا نام بن گئی۔

یہ ہے اپریل فول کا مختصر تاریخی پس منظر.....،،،اس رسم کی ہر جہت اور ہر پہلو شرور و فتن کا مجموعہ ہے، نجانے مسلمان نوجوانوں کو کیا ہو گیا کہ وہ اتنی واضح خرابیوں پر مبنی رسم کو گلے کا ہار بنا کر بڑے فخر سے مناتے ہیں؟ لیکن کیا کہنے غلامی کے ان تباہ کن اثرات کے، جو آج تک ہماری نسلوں کے افکار پر چھائے ہوئے ہیں اور وہ ہر مغربی رسم کو ترقی کا زینہ سمجھ کر اس پر قدم رکھتے جاتے ہیں، یہ سوچے بغیر کہ یہ زینے کن پستیوں میں جا کر اختتام پذیر ہو رہے ہیں۔

تین گناہوں کا مجموعہ

ایک مسلمان کیلئے اپریل فول جیسی رسم جہاں عقلی اور اخلاقی طور پر منانا سمجھ سے باہر ہے اور اس کا کوئی جواز اس پہلو سے نہیں ملتا، اسی طرح یہ گندی رسم شرعی لحاظ سے بھی کئی مفاسد پر مشتمل ہے اور فی الواقع اصل تو شریعت ہی ہے، جب کسی چیز میں شرعی لحاظ سے خرابی پائی جائے اور شریعت اس کو اختیار کرنے سے روک دے تو بظاہر وہ کتنی ہی خوشنما کیوں نہ ہو اسے عمل کا حصہ بنانا ایک کامل مسلمان کے شایانِ شان نہیں، اپریل فول بھی ڈھیروں مفاسد کے ساتھ ساتھ تین گناہوں پر مشتمل ہیں، جو حقوق العباد سے متعلق ہیں، پہلے تو گناہ کبیرہ بغیر سچے دل سے توبہ کیے معاف ہی نہیں ہوتے، پھر جب وہ حقوق العباد سے متعلق ہوں تو اسے اس بندے سے بھی معاف کرانا ضروری ہو جاتا ہے جس کے حق میں کوتاہی ہوئی ہے۔

اپریل فول میں پائے جانے والے تین گناہ کبیرہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) جھوٹ بولنا،

(۲) دھوکہ دینا،

(۳) دوسرے کو اذیت پہنچانا،

(۱) جھوٹ ایک عجیب لعنت ہے، آپ کسی سے بھی دریافت کریں کہ جھوٹ بولنا کیسا ہے؟ وہ اسے برا ہی کہے گا، اگر کسی کے بارے میں پتہ چل جائے کہ یہ جھوٹا ہے تو طبیعت اس کی طرف سے مکدر ہو جاتی ہے، لیکن حیران کن امر یہ ہے کہ لوگ جھوٹ پر مبنی بعض باتوں کو جھوٹ کہتے ہی نہیں، آپ انہیں لاکھ سمجھائیں کہ یہ جھوٹ ہے، وہ سرے سے ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتے۔ انہی میں سے ایک اپریل فول ہے، اس میں بڑی ڈھٹائی اور سینہ زوری سے جھوٹ بولا جاتا ہے، کسی بات یا کام کا وجود تک نہیں ہوتا، لیکن اس کے بارے میں افواہیں پھیلا دی جاتی ہیں۔ مدینہ منورہ میں یہ شیوہ بدبخت منافقین کا تھا کہ وہ لوگوں میں انتشار اور اضطراب پھیلانے کے لئے جھوٹی افواہیں مشہور کر دیتے تھے اور بعض اوقات ان کا بہت بڑا نقصان بھی ہو جاتا تھا۔ آج اپریل فول ڈے پر بھی یہی ہوتا ہے، جھوٹ بولنے کی وجہ سے کئی حادثات و نقصانات کا ظہور ہوتا ہے۔ جب آدمی کسی گناہ کا مرتکب ہو رہا ہو لیکن اس کے دل میں یہ شرمندگی اور پشیمانی پائی جائے کہ یہ گناہ ہے اور میں اس گناہ کا ارتکاب کر کے گناہ گار ٹھہر رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ اسے توبہ کی توفیق دے دیتے ہیں، لیکن اگر ایک شخص گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھے بلکہ اسے تفریح کا حصہ ٹھہرائے، تو اسے اس گناہ پر توبہ کی توفیق کہاں سے ملے گی؟ اپریل فول ڈے پر بولے جانے والے جھوٹ کا خطرناک پہلو یہی ہے کہ بولنے والا اسے جھوٹ مانتا ہی نہیں بلکہ مذاق اور تفریح طبع کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ کو منافق کی علامت بتلایا ہے۔

ارشاد گرامی ہے:

آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذِبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ.

(مسلم، رقم: ۱۰۷)

ترجمہ: منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کہے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب امانت دار بنایا جائے تو خیانت کرے۔

اس وعید کے بعد اگر کسی کے دل میں رائی برابر ایمان ہو تو وہ جھوٹ بولنے کی جسارت کیسے کر سکتا ہے اور پھر ایسا جھوٹ جو اپنے اندر ڈھیروں خرابیاں اور حق شکنیاں لیے ہوئے ہو۔

(۲) اپریل فول دھوکہ دہی جیسے گناہ کو بھی شامل ہے، کیونکہ دوسرا انسان کہنے والے کو اس کی بات میں سچا سمجھ کر دھوکہ کھا جاتا ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

كَبُرَتْ خِيَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاكَ حَدِيْثًا هُوَ لَكَ بِهٖ مُصَدِّقٌ وَاَنْتَ لَهٗ بِهٖ كَاذِبٌ.

(ابوداؤد، رقم:۴۹۷۱)

ترجمہ: بہت بڑی خیانت کی بات ہے کہ تو اپنے بھائی کو کسی بات کی خبر دے اور وہ تجھے اس میں سچا سمجھے حالانکہ آپ اس میں جھوٹ بولنے والے ہوتے ہیں۔

اس حدیث کو پڑھیے اور سر دھنیے کہ کیا اپریل فول ڈے پر یہی کھیل تماشہ نہیں ہوتا کہ ہم لوگوں کو دھوکہ اور خیانت سے بے وقوف بنا رہے ہوتے ہیں اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اپنی سیاہ عملی پر چوڑے ہو کر خوشیاں بھی مناتے ہیں گویا کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

(۳) اپریل فول ڈے بے جا ایذا رسانی جیسے گناہ کبیرہ پر بھی مشتمل ہے۔ اسلام نے مسلمان کیا، کافر اور جانور تک کو ایذا پہنچانے سے روکا ہے اور ایذا پہنچانے والے کیلئے سخت وعیدیں ہیں۔ لیکن یکم اپریل کو مسلمان کہلانے والے بڑی شدت سے مخلوق خدا کو تکلیف اور ایذا پہنچانے میں سرگرم ہوتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ. (مسلم، رقم:۶۵)

ترجمہ: پس مسلمان تو وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

دیکھئے! کامل اسلام کا معیار کس چیز کو قرار دیا گیا ہے؟ کہ اپنی ہر تکلیف دہ ادا سے دوسرے کو محفوظ رکھا جائے، لیکن مقام عبرت ہے ان مسلمانوں کیلئے جو ان احادیث کو سنتے اور جانتے ہیں، لیکن پھر بھی بڑی جرأت کے ساتھ اپریل فول جیسی رسموں کو انجام دینے پہ تلے ہوئے ہیں۔

اپریل فول منانے میں ان تین کبیرہ گناہوں کے ساتھ ساتھ دیگر کئی مفاسد موجود ہیں، اس رسم کی بنیاد بت پرستی، توہم پرستی یا نبی کی توہین پر ہے، ایسی رسم کو اپنی زندگیوں کا معمول بنا دینا خود ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ لہٰذا تمام مسلمانوں سے گزارش ہے کہ وہ اپریل فول کی نجاست سے اپنے ایمان اور اسلام کو آلودہ ہونے سے بچائیں۔ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بدبو سے زمین و آسمان کے درمیان فضائیں بھر جاتی ہیں۔ یہ ہنسی مذاق یا کھیل تماشہ نہیں، بلکہ وہ بھڑکتی ہوئی شعلہ بار آگ ہے جو ایمان کے خیموں کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے، یہ ذریعہ تفریح و راحت نہیں بلکہ وہ خوفناک کڑکتی بجلی ہے جو دین و مذہب اور تہذیب و ثقافت کو جلا کر بھسم کر ڈالتی ہے۔ لہٰذا ایمان والو! خود بھی اس سے بچو اور ایمان والوں کو بھی بچاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆

فصل ششم

میراتھن.....تاریخ، ارتقاء، اثرات

میراتھن کی کہانی

یہ ۴۹۰ ق م کا واقعہ ہے، اس وقت یونان اور فارس پر دو طاقتور حکومتیں برسر اقتدار تھیں، ان دونوں میں کھینچا تانی کا سلسلہ اور لڑائیوں کا دورانیہ تاریخ کے صفحات پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ یونان و فارس کے درمیان تہذیبوں کے ٹکراؤ کے ساتھ ساتھ میدان کارزار کو گرم کرنے والے معرکے بھی عرصۂ دراز تک جاری رہے۔ ۴۹۰ قبل مسیح یونان و فارس کی زبردست جنگ جاری تھی، یہ جنگ یونان کی سرحد سے ۲۵ میل یعنی ۴۰ کلومیٹر کے فاصلے پر میراتھن نامی علاقے کے ایک وسیع و عریض میدان میں ہو رہی تھی، جنگ کی کیفیت ایسی تھی کہ پلڑا کسی جانب نہیں جھکتا تھا۔ دونوں ملکوں کے باسیوں کو اپنی فوجوں کی فتح یا شکست اور جنگ کے جزوی نتائج کا شدت سے انتظار رہتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن یونانی فوج پر فارسیوں نے شدت سے حملہ کیا۔ یونانی فوج کے سالار نے اپنی فوج کے بہادر سپاہی ''فڈے پائٹس'' کو بلایا اور اسے جنگ کی نازک صورتحال بتا کر حکم دیا کہ فی الفور ''سپارٹا'' قبائل میں پہنچو اور ان سے مدد کی درخواست کر کے کہو کہ ہمیں اس وقت میدان جنگ میں شدید مزاحمت کا سامنا ہے، ہمارے فوجی مسلسل کٹ رہے ہیں اور ہماری افرادی قوت لحہ بہ لحہ کمزور ہوتی جا رہی ہے، آپ براہ کرم ہماری امداد کو پہنچو۔

فڈے پائٹس یہ مشن لے کر میدان جنگ سے پیدل روانہ ہوا، اس نے اپنے جنرل کے حکم کو بڑی سنجیدگی سے لیا تھا، اس لیے وہ مسلسل بھاگا جا رہا تھا، اسے فکر تھی کہ اگر اس نے ایک لحہ بھی تاخیر کی تو پوری یونانی قوم کو شکست کا سامنا کرنا پڑے گا، اس لیے وہ رکے بغیر تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ دوڑتے دوڑتے وہ کہیں نہیں رکا، دو دن مسلسل دوڑنے کے بعد وہ ''سپارٹا'' قبائل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا، اس نے جنرل کا پیغام تو سنا دیا، لیکن دوسری طرف اس کی حالت بری ہو رہی تھی، اسے اطمینان تھا کہ وہ مشن پورا کر چکا ہے لیکن یہ اطمینان اسے بچا نہ سکا اور مسلسل دوڑنے کی وجہ سے وہ بے کار ہو گیا تھا، لہذا

چند لمحوں بعد وہ دنیا سے رخصت ہو گیا، کہا جاتا ہے کہ اس نے ۱۵۰ میل کا فاصلہ دوڑ کے طے کیا تھا اور اس کے وہاں پہنچنے تک یونانی میراتھن میں جیت چکے تھے۔

بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ فڈے پائٹس مدد کی درخواست نہیں بلکہ جیت کی خوشخبری سنانے گیا تھا۔قصہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ یونانیوں کو جنگ کے نتائج کا بڑی شدت سے انتظار تھا۔ جب یونانی فوج میراتھن کے میدان میں فارسیوں کو شکست دے چکی، تو فوج کے جنرل نے اس سپاہی کو یونانی جیت کی خوشخبری سنانے بھیجا تھا، یہ سپاہی پیدل دوڑتے ہوئے یونان پہنچا۔ جیت کی خوشخبری سنائی اور سناتے ہی مر گیا کیونکہ وہ سخت نڈھال ہو چکا تھا۔ (جریدہ عالم)

یونانی فوج اور عوام نے اس سپاہی کی یادگار میں ''میراتھن ریس'' شروع کروائی۔ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ یہ میراتھن سے لگائی جانے والی دوڑ کی یادگار ہے اور بعض اسے فڈے پائٹس کی موت پر منایا جانے والا تہوار قرار دیتے ہیں۔

میراتھن سے متعلق ایک دوسرا قول بھی ملتا ہے کہ خلافت عثمانیہ کے زمانہ میں یونان عیسائیت کا مرکز تھا، صلیب و ہلال کے معرکے جاری تھے، اس دوران ترکوں کا لشکر یونانیوں پر حملے کی تیاری کر رہا تھا، اس کی بھنک ایک یونانی مخبر کو پڑی، مخبر نے اسلامی لشکر کے تیور بھانپ کر اندازہ لگایا کہ اگر بروقت اس کی اطلاع یونانیوں کو نہ دی گئی تو مسلمان کا لشکر انہیں زیر و زبر کر دے گا۔ یونان کی سرحد کافی دور تھی اس نے رات کے وقت مشعل لی اور یونان کی طرف دوڑ لگا دی، ۴۲ کلو میٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ اس خبر کو بادشاہ تک آگے بھیجنے میں کامیاب ہو سکا۔ اس کی اطلاع پر بادشاہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دفاعی تیاری میں لگ گیا، یوں یونانی ایک مخبر کی قربانی دینے کی وجہ سے بڑی تباہی سے بچ گئے، اس مخبر کا نام ''میراتھان'' تھا، یونانیوں نے اسے یادگار رکھنے کے لیے ۴۲ کلو میٹر دوڑ کو بطور کھیل رائج کر لیا، یہ کھیل پہلے پہل یونانیوں کے ہاں ہی کھیلا گیا پھر رفتہ رفتہ عیسائی ممالک میں اس کا رواج ہوا اور آج مسلمان بھی اسکے اثرات سے محفوظ نہیں۔ (اسلام اور تفریحات، ص: ۲۵۷)

بہر حال حقیقت جو بھی ہو خلاصہ یہی ہے کہ میراتھن ریس کفار ہی کی یادگار ہے اور اسلامی معاشرے میں اسے رواج دینا بالکل ناجائز اور حرام ہے۔ یہ کام مغرب کے غلام تو کر سکتے ہیں، لیکن کوئی مسلمان

جس کے دل میں رائی بھر ایمان ہو کبھی کافر فوجی کی یادگار نہیں منا سکتا۔

میراتھن عالمی سطح پر

دیگر یادگاروں کی طرح ''میراتھن دوڑ'' بھی آغاز میں چند علاقوں تک محدود رہی، زمانے کے انقلابات نے کبھی اسے نشیب کا راستہ دکھایا اور کبھی فراز کا۔ انیسویں صدی میں انگریز اور یورپی اقوام نے ایک بھرپور دنیا میں ایسی انگڑائیاں لیں کہ دشمن پروار کرنا شروع کر دیئے، اس دفعہ انہوں نے میدانی جنگوں سے بڑھ کر قوموں کی تہذیب و ثقافت پر حملے کرنا زیادہ مفید سمجھے، اس کے لیے انہوں نے اقوام عالم میں رائج شدہ کھیلوں کی سرپرستی کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے ان قدیم تہواروں میں بھی روح پھونکنا شروع کر دی جو بے حیائی و فحاشی پھیلانے اور پاکیزہ معاشروں کا خون کرنے کے لیے کارآمد تھے، انہی میں سے ایک میراتھن ریس بھی ہے۔

آپ اندازہ لگائیں کہ اس کی تاریخ کس قدر پرانی ہے، لیکن انگریز شکاریوں نے اس جال سے فائدہ اٹھایا اور پھر لوگوں کو پھانسنے کے لیے ۱۸۹۶ء میں اسے بچھا دیا، یعنی اس سن میں میراتھن کو اولمپک گیموں میں رکھ دیا گیا، اسے پہلی بار اولمپک میں یونان نے شامل کیا، اولمپک گیمز کا انعقاد یونان کے دیوتا ''اولمپیا'' کی خوشنودی کے لیے ہوتا ہے اور یونانی ان کھیلوں کو روحانی ترقی کا ذریعہ سمجھتے ہیں، ان کا یقین ہے کہ ان کے دیوتا ان کھیلوں سے خوش ہوں گے، پہلے میراتھن میں نو ممالک شامل تھے جن میں امریکا بھی تھا، امریکہ نے اپنی نمائندگی کے لیے آرتھ بلیک نامی شخص کو بھیجا تھا جو پندرہویں منٹ میں گر گیا تھا۔ اس پہلی اولمپک دوڑ میں ۲۵ بھاگنے والوں نے حصہ لیا، اس کا طریقہ کار ''فڈے پائٹس'' یا ''میراتھان'' کو خراج عقیدت پیش کرنے والے پرانے یونانی طریقے کی طرح تھا، پہلے چند فاتحانہ نعرے لگائے جاتے، گن سے فائر ہوتی اور پھر بھاگنا شروع کر دیا جاتا، اس دوڑ کا فاصلہ ۴۰ کلومیٹر رکھا گیا تھا، جسے ۹ افراد نے پورا کیا، باقی سب راستے میں تھک کر بیٹھتے اور بے ہوش ہوتے گئے، یہی سے میراتھن کی گاڑی نے آگے بڑھنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ اسے دیگر ممالک کی طرف منتقل کرنا شروع کر دیا گیا۔

میراتھن میں عورتیں

میراتھن ریس میں جب تک مرد دوڑتے تھے تو تب تک اس میں فحاشی کا ناسور ترقی پذیر تھا، لیکن ۱۹۷۰ء یا ۱۹۷۵ء کے بعد ایک اور طوفان مچا اور اس دوڑ میں خواتین کو بھی شامل کر دیا گیا۔ اب عورتیں ننگے سر صرف شرٹ اور کچھے پہن کر روڈوں پر بھاگتیں اور منحوس اداؤں سے فحاشی و عریانی پھیلاتیں، پہلی دفعہ میراتھن میں دو عورتیں شریک ہوئیں اور پھر رفتہ رفتہ یہ سلسلہ بڑھتا رہا۔ مخلوط دوڑ کی یہ رسم بے حیائی کے راستوں پر مزید تیزی کے ساتھ گامزن ہوگئی اور آج میراتھن یورپی تہذیب و ثقافت مسلط کرنے کا ایک اہم ترین ہتھیار بن چکا ہے، اس وقت دنیا میں ۸۰۰ کے قریب سالانہ میراتھن دوڑیں ہوتی ہیں۔ بڑی دوڑیں بوسٹن، نیویارک، شکاگو، لندن اور برلن میں ہوتی ہیں۔ سب سے مشہور میراتھن دوڑ بوسٹن میں ہر سال اپریل میں منعقد ہوتی ہے۔

میراتھن پاکستان میں

یہ زہر مغربی معاشرے سے ہمارے ملک میں اکسویں صدی کے بعد روشن خیال حکمرانوں کے واسطے سے منتقل ہوا۔ کچھ مغرب پرستوں نے اس ملک میں ایسی ریس منعقد کروا کر کئی مقاصد حاصل کرنے کی ٹھان لی ہے، ایک طرف پاکستانی اور مشرقی معاشرے سے حیا اور پاک دامنی کا عنصر خارج کیا جا رہا ہے، دوسری طرف نوجوان نسل کو مادر پدر آزاد ماحول مہیا کر کے اپنے ماضی سے کاٹا جا رہا ہے۔ مخلوط دوڑیں ٹی وی چینلز پر دکھا کر پورے معاشرے کو اس گندگی سے آلودہ کیا جا رہا ہے۔ ایک بڑی رقم اس بے مقصد و بے فائدہ کھیل پر ضائع کی جا رہی ہے۔ اگر حکمرانوں کے پاس عقل ہو تو وہ تھوڑی ہی دیر کے لیے تصور کرتے کہ وہ اپنی قوم کے بچوں کو کن کے نظریات گھول گھول کر پلا رہے ہیں اور اپنے ملک جس کا مطلب ''لا الہ الا اللہ'' بتلایا جاتا رہا اور جسے اسلامی جمہوریہ کہا جاتا ہے، کی بنیادیں کن کی پیروی اور غلامی میں کمزور کر رہے ہیں؟ پوری ملک کو غربت کا سیلاب بہائے لے جا رہا ہے، اسی لاہور کی سڑکوں پر روزانہ کتنے معصوم بچے بھیک مانگتے ہوئے نظر آتے ہیں، کتنی عورتیں دامن پھیلائے پیسے مانگتی ہیں۔ کتنے معذور دست سوال دراز کیے کھڑے ہوتے ہیں۔ حکمرانوں کا فرض بنتا

ہے کہ ملکی خزانے جو قوم کی امانت ہیں، کو ان غریب و نادار اور بے بس و بے کس افراد کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کریں، تا کہ انہیں عزت و وقار کے ساتھ دو وقت کی روٹی میسر آ سکے۔ یہ کیا وطن دوستی ہے؟ کہ عوام بھوک سے مر رہی ہے اور حکمران کروڑوں روپے خرچ کر کے لاہور کی سڑکوں پر ننگی دوڑوں کا انتظام کر رہے ہیں۔

۳۰ جنوری ۲۰۰۵ء کو پہلی بار لاہور میں میراتھن دوڑ ہوئی، جس کا نام دوڑ میرے لاہور رکھا گیا، چند ننگ دھڑنگ افراد نے اس میں حصہ لیا، پاکستانی عوام اس پر سراپا احتجاج بن گئی تھی۔ حکمرانوں نے اپنی عوام کی آواز پر کان دھرنے کے بجائے اغیار کی صدا پر لبیک کہا اور عوام کو بزور بازو کچل کے سب گند لاہور کی گلیوں میں انڈیل دیا۔ جب حکمرانوں سے سوال کیا جاتا کہ وہ میراتھن ریس جیسی چیز کے لیے اپنی عوام کے گلے دبا رہی ہے؟ ساری سڑکوں کو بند کر رکھا ہے؟ مریض گاڑیوں میں سسک سسک کر مر رہے ہیں کہ کوئی راستہ کھلا نہیں، ہزاروں افراد کے لاکھوں کام رکے ہوئے ہیں، ساری قوم مفلوج ہو کر بیٹھی ہوئی، آخر کیا ضرورت ہے ایک دوڑ کی خاطر اپنی قوم کا اس قدر نقصان کرنے کی؟ تو یہ جواب دیا جاتا کہ ہم پاکستان کا امیج بہتر کرنا چاہتے ہیں اور عالمی برادری کو یہ میسج دینا چاہتے ہیں کہ پاکستانی عوام انتہاء پسندی کو مسترد کر کے روشن خیالی کو اپنا چکی ہے۔ یہ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ بندہ اپنا لباس نکال کر سر بازار بولی لگانے بیٹھ جائے، کیا یہ ننگی دوڑیں روشن خیالی ہے؟ کیا اس سے پاکستانی کا امیج بہتر ہوگا اور دنیا پاکستان کو مغربی زہر میں ڈوبا ہوا تسلیم کر لے گی؟ میراتھن ریسز میں شرکت کرنے والے چند گنے چنے لوگ اور اس پر تھرکنے والے چند ہزار تماشائی پوری پاکستانی قوم کے ترجمان ہرگز نہیں، انہیں دیکھ کر کوئی اس خوش فہمی میں قطعاً مبتلا نہ ہو کہ پاکستان روشن خیالوں کا اکھاڑا بن چکا ہے اور پاکستانی معاشرہ حیا و شرم سے آزاد ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارباب اقتدار کو عقل دے کہ وہ اپنی قوم کو ان دلدلوں میں نہ جھونکیں جو مغرب نے اسلامی معاشرے کو ملیا میٹ کرنے کے لیے بنائی ہوئی ہیں اور مسلمان قوم کی اس قسم کے فحش اور حیا سوز تہواروں اور کھیلوں سے حفاظت فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

فصل ہفتم

کرسمس ڈے اور اس کے منفی اثرات

اسلام امن وآشتی کا دین ہے، یہ اقلیتوں کو مقرر کردہ حدود میں مذہبی آزادی دینے کا قائل ہے، اسلام ایک اسلامی ریاست کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ ذمیوں کے حقوق ادا کئے جائیں، ان کی جان اور ان کے مال کی حفاظت کی جائے، انہیں ہر قسم کے تعرض سے مامون رکھا جائے اور انہیں اپنی عبادت گاہوں تک مذہبی رسومات ادا کرنے کی اجازت دی جائے۔ الحمدللہ ہمارا ملک پاکستان بھی ایک اسلامی ملک ہے، اس میں کئی اقلیتیں آباد ہیں، جنہیں اپنی مذہبی رسومات کی ادائیگی میں آزادی دی گئی ہے، لیکن ہمارا معاشرہ اسلام کی حقیقی تعلیمات سے خالی ہے، اس پر مذہبی تعلیمات کی وہ گہری چھاپ نہیں جو اپنے عقائد ونظریات کی حفاظت کیلئے ہونی چاہئے، لہٰذا اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض اقلیتیں خصوصاً عیسائی حضرات اپنی تقریبات ورسومات کی حیثیت کو ایک مسلم معاشرے میں اپنے مقررہ حدود پار کر کے منعقد کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان تقریبات ورسومات کی حیثیت محض مذہبی نہیں رہتی بلکہ وہ ایک مخصوص سوچ اور فکر مسلط کرنے کا ذریعہ تبلیغ بن جاتی ہیں۔ ہر سال ۲۵ دسمبر کو عیسائی دنیا کرسمس ڈے مناتی ہے اور اسے اپنا مذہبی تہوار بتلاتی ہے، عیسائی حضرات اس بات کے دعویدار ہیں کہ اس تاریخ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور کرسمس ڈے میلاد عیسیٰ علیہ السلام کا جشن ہے، آپ حضرات ہر سال منعقد ہونے والے کرسمس ڈے کی تقریبات کا مشاہدہ کرتے ہوں گے۔ بہت سے لوگ اسے ہر سال کا معمول سمجھ کر قابل توجہ والتفات ہی نہیں سمجھتے ہوں گے، اور بہت سوں کا ذہن کچھ اور کہتا ہوگا۔

کرسمس ڈے کا آغاز کب ہوا؟

عیسائی مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ چوتھی صدی عیسوی سے قبل کرسمس ڈے کا کوئی وجود نہ تھا، متقدمین عیسائی احبار کی تعلیمات میں کہیں اس کا ذکر نہیں ملتا اور نہ ہی ان لوگوں نے اسے حضرت

عیسیٰؑ کے میلاد کے طور پر کبھی منایا تھا، کرسمس ڈے سب سے پہلے ۳۳۶ء کو منایا گیا۔

برٹانیکا کی عبارت ہے:

Christimas festival celebrated on December 25 commemorating the birth of Jesus Christ and also popular secular Holiday- According to a Roman almuanac the christian festival of christmas was celebrated in Rome by AD 336.

(BRITANNICA,3:283)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ کرسمس عیسیٰ یسوع مسیح کے جشن میلاد کے طور پر منایا جاتا ہے، کرسمس ڈے ایک معروف اور پر لطف تعطیل ہے، ایک رومی کیلنڈر کے مطابق عیسائیوں کا تہوار کرسمس ڈے، روم کی سرزمین پر ۳۳۶ء میں منایا گیا۔

گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا تین صدیاں بعد تک اس کا کوئی نام ونشان نہ تھا، پھر اچانک چند اختراعیوں نے اپنے مفادات کے پیش نظر اس کو وجود بخش دیا اور ایک فرضی تاریخ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم ولادت قرار دے کر دنیائے عیسائیت میں سستی شہرت حاصل کرنے کا سامان پیدا کر دیا، آیئے! ذرا ان اختراعیوں کا احوال تاریخ کی روشنی میں پڑھتے ہیں۔

کرسمس کا آغاز کیسے ہوا؟

کہا جاتا ہے کہ روم کی ایک دور دراز بستی میں عجیب وغریب مشعل ایجاد کی گئی، یہ مشعل گھنٹوں تیل کے بغیر روشن رہتی، یہ وہ دور تھا جب روم کی سرزمین پر مشعل کا استعمال صرف درباروں اور رؤساء کی محفلوں تک محدود تھا اور مشعل جیسی چیز کا حصول عوام کی دسترس سے باہر تھا، مشعل چونکہ انتہائی عجیب و غریب تھی اس لئے بہت جلد ہی امراء اور رؤساء کی محفلوں تک پہنچ گئی اور خواص کے حلقے اس کو خوب خریدنے لگے، مشعل کا موجد اپنے کاروبار کو چمکا کر خوب دولت سمیٹنے لگا، لیکن اس کے دل میں ایک عجیب خواہش تھی کہ یہ مشعل درباروں اور محفلوں سے نکل کر ہر شخص استعمال کرے، ہر شخص خریدے اور

ہر فرد اس سے مانوس ہو، اس نے اپنی اس خواہش کا اظہار ایک پادری دوست سے کیا، پادری نے اس سے کہا کہ اس مشعل کا تعلق مذہب کے ساتھ جوڑ دو، جو چیز مذہب کے ساتھ جڑ جاتی ہے، وہ ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ مشعل کے موجد نے پادری کو حرص اور لالچ کے جال میں پھنسا کر اس کام کیلئے آمادہ کر لیا۔

پھر ایک دن اچانک پادری نے اعلان کیا کہ آج مغرب کے بعد ایک مخصوص طریقے سے دعا مانگی جائے گی، جس کا قبول ہونا قطعی اور یقینی ہے، لہٰذا سارے لوگ شام کو حاضر ہو جائیں، لوگ پادری کو اپنا مذہبی پیشوا مانتے تھے، لہٰذا شام ہوتے ہی پوری بستی گرجا گھر کے دروازے پر پہنچ آئی، جب خوب اندھیرا چھا گیا تو پادری نے سب لوگوں کو ایک ایک مشعل پکڑا دی اور آنکھیں بند کر کے بڑی دیر تک دعا کرواتا رہا، لوگوں نے اس کی تقلید کی اور دعا ختم ہونے پر یقینی قبولیت کے تذکرے کرتے ہوئے گھروں کو لوٹ آئے۔ اسی کو میلادِ عیسیٰ قرار دیا گیا، یہ دسمبر بروز اتوار ۳۳۶ء کو منعقد ہونے والا پہلا کرسمس ڈے تھا۔

اس دور میں پادری درباروں کے قریبی ہوتے تھے اور ان کی رسائی دربار حکومت تک حد درجہ آسان تھی، روم کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ بادشاہ اپنے ناجائز معمولات کے لیے پادریوں کی تاویلات فاسدہ کا سہارا لیکر عوام کی نظروں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتے تھے، پادریوں کے اسی طرز عمل نے عیسائیت کی اصلی تصویر مسخ کر کے رکھ دی تھی اور ان کی کتابیں تحریفات کا پلندہ بن گئی تھیں، الغرض اس پادری نے بھی کرسمس کے اس اختراعی تہوار کو دربار حکومت کا راستہ دکھا دیا، دربار حکومت نے اسے آنکھیں بند کر کے تسلیم کیا اور ۲۵ دسمبر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا دن قرار دے کر پورے ملک میں چھٹی منانے کا معمول بھی بن گیا، یوں ایک خطیر رقم خرچ کر کے کرسمس ڈے منانے کا اہتمام کیا جاتا، عوام الناس نے بھی خواص کی اقتداء کی اور ہر سال ۲۵ دسمبر آنے سے پہلے پہلے کرسمس کی ضروری اشیاء کا انتظام مذہبی فریضہ سمجھ لیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی میلاد پر جھگڑے

جب سلطنت روم سے ۲۵ دسمبر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم ولادت قرار دے کر کرسمس ڈے منانے کا غلغلہ اٹھا، تو دنیائے عیسائیت میں ہنگامہ برپا ہو گیا اور باہمی شورشوں کا ایک تانتا بندھ گیا،

بہت سے عیسائی فرقے ۲۵ دسمبر کو یوم ولادت منانے سے انکاری تھے، بہت سے اس بات کے قائل تھے کہ رسم اور سالگرہ منانے کا یہ طریقہ کار اختراعی اور غلط ہے، کچھ لوگوں نے احتجاجوں کا سلسلہ اٹھایا اور رومیوں کے راستے میں پوری قوت سے ڈٹ گئے، لیکن ان تمام تر جھگڑوں، مباحثوں اور شورشوں پر رومی عیسائیوں کے طرز کا بالآخر غلبہ ہو ہی گیا اور وہ فرقے جو عرصہ دراز تک رومی چرچ کے جاری کردہ طریقے کے سخت مخالف رہے، آخر کار کرسمس ڈے کو قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔

برٹانیکا کی عبارات کی روشنی میں اس اختلاف کی کہانی پڑھتے ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں لکھا ہے:

In the Eastern part of the Roman Empire, however, a festival on january 6 commemoratied the manifestation of God in both the birth and the baptism of Jesus, except in Jerusalem, where only the birth was celebrated. During the 4th century the celebration of Christ's birth on December 25 was gradually adopted by most eastern churches in jerusalem, but it was subsequently accepted. In the Armenian Church, Christmas was never accepted; Christ's birth is celebraed on january 6.(BRITANNICA.3:283)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ رومی سلطنت کے مشرقی حصے میں ایک تہوار ایسا تھا جو میلاد مسیح علیہ السلام اور بپتسمہ دونوں میں خدا کی تجلی (عیسیٰ علیہ السلام) کی یادگار تھا۔ (یہی کرسمس کہلاتی ہے۔) چوتھی صدی عیسوی میں بہت سے چرچوں نے 25 دسمبر کو منائے جانے والا یہ تہوار تدریجاً قبول کرنا شروع کیا، لیکن یروشلم (جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا علاقہ شمار ہوتا ہے۔) میں صرف رسم میلاد منائی جاتی تھی، لہٰذا سب سے پہلے یروشلم ہی سے کرسمس کی مخالفت کا آغاز ہوا، (اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ دونوں مقامات کے پادری اس بات پر متفق نہ ہو سکے کہ حضرت عیسیٰؑ کی اصل تاریخ پیدائش کیا ہے؟ اور

۲۵ دسمبر کو منعقد ہونے والا کرسمس ڈے بطور جشن میلاد منانا درست ہے یا نہیں؟) تاہم بڑے عرصے کی مخالفت اور جھگڑوں کے بعد یروشلم میں بھی کرسمس کو مقبولیت مل ہی گئی۔

دوسری طرف امریکی پادری بھی کرسمس ڈے کے شدید مخالف رہے اور انہوں نے اپنے چرچوں میں اس تہوار پر پابندی عائد کر رکھی تھی، ان چرچوں میں کرسمس ڈے نہیں منایا جاتا تھا، کیونکہ وہ لوگ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ پیدائش ۲۵ دسمبر ماننے سے منکر تھے، انکا قول یہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت ۶ جنوری کو ہوئی ہے اس لئے وہ ۶ جنوری کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم ولادت مانتے اور مناتے تھے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ چونکہ کرسمس ڈے ایک اختراعی رسم تھی اس لئے عیسائیوں کے ہر فرقے اور طبقے نے اسے آسانی سے قبول نہیں کیا بلکہ ایک طویل عرصہ تک اسے مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن چونکہ اس میں عیاشی، فحاشی، اور دل لگی کا تمام تر سامان مہیا تھا، اس لئے نفس پرست عیسائی اس سے زیادہ دیر صبر نہ کر سکے اور رفتہ رفتہ یہ دنیائے عیسائیت کا مشترکہ تہوار بن گیا، ہاں! آج بھی بعض عیسائی فرقے موجود ہیں، جو ۶ جنوری کو حضرت عیسیٰ کا یوم ولادت مانتے ہیں اور کرسمس ڈے کے طریقہ کار کے مخالف ہیں۔

کرسمس کارڈ

کرسمس ڈے پر کرسمس کارڈ بھیجنا بھی عیسائی تہوار کا حصہ ہے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ ایک گریٹنگ کارڈ ہے جو نئے سال کے آغاز پر ایک دوسرے کو بھیجا جاتا ہے، بہرحال آج کل عیسائی حضرات یہ کارڈ ان مسلمانوں کے ہاں بھی بھیجتے ہیں جو عیسائی اداروں میں ملازم ہوتے ہیں، اس کارڈ کی تاریخ اور تفاصیل انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا نے اس طرح بیان کی ہیں:

Christmas Card. form of greeting card usually sent by mail as an expression of goodwill at Christmastime. The practice, which has been followed in all English- speaking countries,is growing in many others, Though wood engravers prqduced prints with relgious themes in the

Middle Ages, the first christmas card, as the term is now understood, is believed to have been designed in England in 1843. An edition of 1,000 copies was placed on sale in London, The design was of a family party, beneath which were the words " A Merry Christmas and a Happy New Year to You.(BRITANNICA.3:283)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ کرسمس کارڈ کرسمس کے دن اپنے مذہبی جذبات کے اظہار کیلئے عموماً ڈاک کے ذریعے بھیجے جاتے ہیں، کرسمس کارڈ بھیجنے کا رواج رفتہ رفتہ تمام انگریز ممالک میں اپنایا گیا اور اب اسکا دائرہ دیگر ممالک میں بھی پھیلتا چلا جارہا ہے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ پہلا کرسمس کارڈ ۱۸۴۳ء کو انگلینڈ میں بنایا گیا، اس کی ایک ہزار کاپیاں تیار کر کے لندن کے بازاروں میں بیچنے کیلئے رکھی گئی، اس کارڈ کا ڈیزائن ایک خاندانی پارٹی نے تیار کیا تھا۔ (اس کارڈ پر ان کی تصاویر تھیں۔) اور اس کے نیچے یہ عبارت لکھی گئی تھی، ''مسرت افزا کرسمس اور نیا سال مبارک ہو''۔

کرسمس پھول

کرسمس پھول کو Winter Rose بھی کہا جاتا ہے، اس کے سیاہ پودے اور زہریلی سدا بہار جڑی بوٹی اپنی کشش میں معروف ہیں، یہ اواخر خزاں سے اوائل بہار تک شگفتہ رہتا ہے، اکثر برفباری کے موسم میں بھی پایا جاتا ہے، یہ کرسمس کے موقع پر بھی نمودار ہوتا ہے اور کرسمس ڈے پر سجاوٹ کے کام آتا ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، ج:۳، ص:۲۸۳)

کرسمس فادر

کرسمس کے موقع پر یہ بدعت بہت بعد میں جا کے شروع ہوئی ہے، عیسائی مؤرخین کا کہنا ہے کہ ایک دفعہ ایک بوڑھا پادری اپنی جیب میں کھانے پینے کی مختلف چیزیں ڈال کر باہر نکل گیا اور یہ سارا سامان چھوٹے چھوٹے نادار بچوں میں تقسیم کرنے لگا، جب اس کے پاس وہ چیزیں ختم ہو گئیں تو یہ

پادری غائب ہو گیا، اگلے سال کرسمس ڈے کے موقع پر وہ پھر ظاہر ہوا اور اسی طرح بچوں میں کھانے پینے کی چیزیں تقسیم کر کے غائب ہو گیا، پادری کا یہ عمل سالہا سال جاری رہا، لوگ اس کے بارے میں کافی مشوش ہوئے کہ یہ کون ہے؟ جو ہر سال ظاہر ہو کر اچانک غائب ہو جاتا ہے، اسی تشویش کے بسبب لوگوں نے اسے تلاش کرنا شروع کر دیا اور بالآخر ایک روز اس کا پتہ چلا لیا، لوگوں نے دیکھا کہ وہ ایک چرچ کا پادری اور راہب ہے، لوگوں نے اسے مبارک باد دی، بس اس مبارک باد دینے کے دن سے یہ رسم چل پڑی جو آج تک جاری ہے۔ مؤرخین اس شخص کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ جرمنی کا باشندہ تھا۔ (جریدہ عالم، ص: ۱۲۳)

آج کل عیسائیوں کا کوئی بوڑھا لمبی داڑھی لگا کر اور سفید لباس پہن کر اس شخص کی نقل اتارتا ہے، کسی بھی کرسمس ڈے کے موقع پر آپ اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں، یہ لوگ ایک جمگھٹا بنا کر چرچ سے نکلتے ہیں اور پھر مسلمانوں کے بازاروں اور گلیوں میں گھوم پھر کر بچوں میں ٹافیاں، چاکلیٹ اور مختلف قسم کی میٹھی چیزیں تقسیم کرتے ہیں، اس کے علاوہ بھی اس رسم میں وہ ڈھیروں خرابیاں شامل ہو چکی ہیں، کہ عیسائیوں کے ہاں بھی رحمت کے بجائے زحمت اور بدعت بن گئی ہے۔

کرسمس ٹری

جس وقت روم میں کرسمس ڈے کا آغاز ہوا، اس وقت جرمنی روم کی ریاست تھی، جرمن سردار کرسمس منانے روم کے مرکزی چرچ آیا کرتے تھے، ایک دفعہ کوئی جرمن کرسمس کے دنوں میں بیمار پڑ گیا، اس کی بیماری نے شدت اور طول پکڑا جس کی وجہ سے وہ روم کے مرکزی چرچ نہ جا سکا، اس نے جرمنی کے اندر ہی کرسمس منانے کا اہتمام کیا، لوگوں نے یہ نئی رسم بڑی تیزی سے قبول کی اور اسے پوری ریاست میں پھیلا دیا، جرمنی کے دیکھا دیکھی دیگر ریاستوں نے بھی اسے بطور تہوار قبول کرنا شروع کیا۔ جرمن باشندے کرسمس ڈے میں بدعات داخل کرنے کی نسبت سے مشہور ہیں۔ کرسمس ٹری کی رسم بھی انہی کی ایجاد کردہ ہے، کہا جاتا ہے کہ لوگ زیتون کے درختوں سے لمبی لمبی ٹہنیاں کاٹ کر اسے گھروں اور چرچوں میں سجاتے تھے، ان شاخوں پر کیک، کھانے پینے کی چیزیں اور مختلف تحائف سجائے جاتے تھے۔

کرسمس ٹری کا آغاز کیسے ہوا؟

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں لکھا ہے:

Tree worship, common among the pagan Eureans, survived after their conversion to Christianity in the Scandinavian customs of decorating the house and barn with evergreens at the New Year to scare away the devil and of setting up a tree for the birds during christmastime: it survived further in the custom, also observed in Germany, of placing a Yule tree at an enterance or inside the house in the midwinter holidays.

(BRITIANNICA:3:284)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ یورپی بت پرستوں کے ہاں درخت کی پوجا کرنا عام تھا، جو ان کے عیسائیوں سے رسومات کے بارے میں مکالمے کے بعد بھی باقی رہا، ان رسومات میں ہر نئے سال کی آمد پر مکانات اور بے آرائش عمارتوں کو ہریالی سے خوبصورت بنایا جاتا تھا، ان کا خیال یہ تھا کہ مکانات کی زیبائش سے شیطانی اثرات کا قلع قمع ہوتا ہے، ان رسوم میں یہ بھی تھا کہ ''عیسائی کرسمس'' کے دوران پرندوں کے لئے ایک درخت قائم کیا جاتا تھا، یہ بعد ازاں مستقل رسم بن گئی۔ جرمنی میں یہ درخت مذہبی روایت کے طور پر نصب کیا گیا، اس کا طریقہ کار یہ تھا کہ ایک تہواری درخت گھر کے اندرونی یا بیرونی حصے میں عین سرمائی تعطیلات میں نصب کر دیا جاتا تھا۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے...

☆ کہ کرسمس ٹری کی رسم یورپی بت پرستوں سے مستعار ہے۔

☆ اسے کرسمس ڈے کے موقع پر مذہبی حیثیت سے سب سے پہلے جرمنوں نے منایا۔

☆ اور آج کل کرسمس کے موقع پر یہی رسم کرسمس ٹری کے نام سے معروف ہے۔

کرسمس ٹری (درخت) کے بارے میں مؤرخین کا ایک قول یہ بھی ہے کہ کرسمس ٹری کی روایت ۷۳۲ء میں جرمنی کے اندر ایک قبیلے نے شروع کی تھی۔ جرمنی میں ایک خاص قبیلہ تھا، اس قبیلے کا نام ''تھرو'' تھا، یہ ایک دیوتا کی پوجا کرتا تھا، اس دیوتا کا نام اردو میں ''گرج'' کہا جاسکتا ہے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ آسمان پر جب بادل گرجتے ہیں تو یہ دیوتا ہوا کرتا ہے، یہ لوگ اپنے باطل اعتقاد کے مطابق آسمانی بجلی، آفات اور گرج چمک سے بچنے کیلئے اس دیوتا کے نام ایک نر بچے کی قربانی دیا کرتے تھے، یہ قربانی بلوط کے درخت کے نیچے دی جاتی تھی۔

جرمنی میں ''ویل نٹ'' نامی ایک عیسائی راہب رہا کرتا تھا، اسے جب اس بے ہودہ رسم کی اطلاع ملی تو اس نے اس رسم اور درخت کو جڑ سے اکھاڑنے کا فیصلہ کرلیا، اس مقصد کیلئے اس نے اپنے قریبی دوستوں اور پیروکاروں کو جمع کر کے منصوبے سے آگاہ کردیا۔ ان لوگوں نے ''ویل نٹ'' کا ساتھ دینے کی حامی بھرلی۔

اگلے سال جب قربانی دینے کا وقت آیا تو ''ویل نٹ'' اپنے رفقاء کے ساتھ مقررہ وقت پر وہاں حملہ آور ہوا اور اس ذبح ہونے والے بچے کو بچالیا، اس کارروائی میں انہوں نے مزاحمت کرنے والوں کو بھگایا اور اس رسم کو بالکلیہ دفنانے کیلئے وہ درخت کاٹ دیا، جیسے ہی درخت کٹا تو آسمان سے ایک بجلی گری جس کی وجہ سے بلوط کا وہ درخت جل گیا اور اسی جگہ ایک سدا بہار درخت اُگ آیا، ان لوگوں نے اسے امن و آشتی کا پیغام قرار دیا اور ہر سال کی آمد پر اسے سجانا شروع کردیا بعد میں یہی رسم کرسمس کا حصہ بن گئی۔ (جریدہ عالم، ص:۱۲۴)

کرسمس ٹری برطانیہ میں

برطانیہ میں یہ رسم انیسویں صدی سے پہلے موجود نہیں تھی، بلکہ یہ اس وقت تک صرف جرمنی اور اردگرد کی ریاستوں میں گھومتی رہی، جب ۱۸۴۷ء میں ملکہ وکٹوریا کے شوہر جرمنی گئے اور وہاں کرسمس کے موقع پر لوگوں کو درخت بناتے اور سجاتے دیکھا تو واپسی پر ایک درخت اپنے ساتھ لے آیا اور ملکہ سے مشورہ کر کے اسے برطانیہ کے کرسمس پروگراموں میں رواج دے دیا۔ انہوں نے ۱۸۴۸ء میں ایک بڑا درخت سجایا، لوگ جوق در جوق اس کو دیکھنے آئے اور اس کا آئیڈیا لے کر گھروں کو لوٹ گئے، یوں

برطانیہ میں کرسمس ٹری کی رسم معروف ہوگئی اور ایک رپورٹ کے مطابق آج کل برطانیہ میں ستر ہزار کرسمس درخت سجائے جاتے ہیں۔

برٹانیکا کے مطابق کرسمس درخت کی رسم امریکہ میں جرمن بانیوں کے ذریعے سترہویں صدی کے اوائل میں لائی گئی، اس کے بعد یہ آسٹریا، سوئٹزرلینڈ، پولینڈ اور ہالینڈ میں میں بھی معروف ہوئی۔ برٹانیکا کا کہنا ہے کہ کرسمس درخت انیسویں اور بیسویں صدی میں چین اور جاپان میں یوایس مشنریوں نے متعارف کروایا، اس دور میں یہ درخت کاغذ کے باریک ڈیزائنوں سے سجائے جاتے تھے۔

(انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، ج:۳،ص:۲۸۴)

آج کل ''سرو'' کے درخت سے ٹہنیاں کاٹ کر ایک مصنوعی درخت بنایا جاتا ہے، عیسائی اس طرح کے درخت اپنے گھروں میں بھی بناتے ہیں، ان درختوں پر پھول، تحائف، کیک اور میٹھی چیزیں فیتے اور دھاگے کے ذریعے لٹکا دی جاتی ہیں، اس درخت میں برقی قمقمے اور بلب روشن کئے جاتے ہیں۔

چرچ میں جو مرکزی اور بڑا درخت سجایا جاتا ہے وہاں نعوذ باللہ ایک کھیل بھی پیش کیا جاتا ہے کہ ایک نوجوان دوشیزہ حضرت مریم علیہا السلام کا کردار ادا کرتی ہے، ایک آدمی جبرائیل علیہ السلام کا حلیہ بنا کر اس کے پاس آتا ہے اور اسے ایک بچے کی خوشخبری سناتا ہے، اس کے بعد حضرت مریم علیہا السلام کا اضطراب دکھایا جاتا ہے، غرض یہ سارا واقعہ بصورت کھیل پیش کرنے کی جسارت کی جاتی ہے، جب یہ کھیل ختم ہوتا ہے، تو لوگ درخت کی شاخیں تبرکاً اکھاڑ کر گھر لے جاتے ہیں اور ان پر دھاگوں کے ہار اور تحائف لٹکا کر سجاتے ہیں۔

کرسمس کے موقع پر ایک اور رسم بھی منائی جاتی اور اس کا دائرہ فی الحال مغربی ممالک تک محدود ہے، اسکے بارے میں ڈاکٹر ''اینڈرفرانس'' کا کہنا ہے کہ ہم کرسمس کے موقع پر صرف گھروں کو نہیں سجاتے بلکہ دلوں کے ملاپ پر بھی خاص توجہ دیتے ہیں، اس میں مرد اور عورت دونوں آپس میں بغل گیر ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے بوسے لیتے ہیں۔ (استغفراللہ)

کرسمس ڈے کے منفی اثرات

عصر حاضر میں ان خرافات کے علاوہ کرسمس کے موقع پر رقص و سرور، موسیقی اور شراب بھی لازمی ہو

گئے ہیں جس کی وجہ سے وہ ممالک جہاں عیسائی اقلیت میں ہیں، خوب متاثر ہورہے ہیں، اوران کے پرسکون معاشروں میں فحاشی اور بے حیائی کے زوردار جھٹکوں نے دراڑیں ڈال دی ہیں، کرسمس ڈے کے موقع پر ملٹی نیشنل کمپنیوں کا کاروبار خوب عروج پر ہوتا ہے بلکہ کرسمس میں بہت سی چیزوں کو رواج دینے میں ان کمپنیوں کے ایجنڈے کا بھی دخل ہے، پوری دنیا پر اس کے پڑنے والے منفی اثرات کا صحیح اندازہ ہر سال شائع ہونے والی کرسمس ڈے کی رپورٹوں سے لگایا جاسکتا ہے، ہزاروں کی تعداد میں عورتیں جنسی ہوس کا نشانہ بنتی ہیں، شراب کے بے تحاشا استعمال سے کئی لوگ موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں، پوری دنیائے عیسائیت میں ٹریفک حادثات کی شرح بڑھ جاتی ہے، جس کی واضح وجہ نشے کی حالت میں ڈرائیونگ ہے۔اسی طرح اربوں روپے مالیت کی بجلی برقی قمقموں اور ٹری سجانے والے بلبوں پر خرچ ہوتی ہے، ایک رپورٹ کے مطابق ۲۵ دسمبر کو ہر امریکی عیسائی کے منہ سے شراب کی بو آتی ہے اور لوگ اپنی بیٹیوں اور بہنوں تک کو معاف نہیں کرتے۔معاذ اللہ..... یہ ہے وہ مذہبی تہوار... جسے ایک مشعل فروش کی تحریک نے جنم بخشا، جس کا متقدمین عیسائی احبار کی تعلیمات میں کوئی ذکر نہیں، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت کو بصورت کھیل پیش کرنا اور کرسمس ٹری وغیرہ رسموں کو رواج دینا تو خود بعض عیسائیوں کے ہاں قابل مذمت قرار پائے ہیں۔رہی رقص وموسیقی کی مجلسیں، شراب وکباب کی محفلیں، جوئے وقمار بازی کی باتیں...ان کو کسی نبی کے یوم ولادت اور مذہبی تہوار میں جگہ دینا آسمانی مذہب کے دعویداروں کے لئے باعث شرم ہے، کیا کوئی آسمانی مذہب ان باتوں کی اجازت دے سکتا ہے؟ لیکن حقیقت یہی ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب کا آسمانی وانجیلی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی ان کے اس تہوار کا۔

مسلمانوں پر کرسمس ڈے کے اثرات

عیسائیوں کے ہاں آج کل کرسمس ڈے کا تصور محض ایک مذہبی تہوار کا نہیں رہا، عیسائی چونکہ ہندوؤں اور سکھوں کی طرح مذہبی رسومات میں تعصب کے بجائے توسع کے قائل ہیں، اس لئے عیسائی مشنریاں کرسمس ڈے کو جہاں عیاشی کا ذریعہ سمجھتی ہیں، وہاں آزاد خیال مسلمانوں کو دین ومذہب سے برگشتہ کرنے اور رقص وموسیقی کے دلدادہ مسلمانوں کو مزید گمراہ کرنے کیلئے بھی کام میں لاتی ہیں۔

کرسمس ڈے کی تیاریوں کو ایسا رنگ دیا جاتا ہے کہ عام مسلمان اس میں دلچسپی لیں جبکہ عیسائی مشنریوں کے فلاحی و تعلیمی اداروں، ہسپتالوں اور ہوٹلوں وغیرہ سے متعلق مسلمانوں کو یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ کرسمس ایک عظیم مذہبی تہوار کی حیثیت رکھتا ہے، انہیں شرکت و مشاہدے کی باقاعدہ دعوت دی جاتی ہے، سادہ لوح مسلمان ان پروگراموں میں شریک ہوتے ہیں اور پھر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، ان کے دلوں میں عیسائیت کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے، اسے ایک قابل تسلیم مذہب سمجھنے اور انہیں معاشرے میں اقلیت سے بڑھ کر معیار پر رکھنے کیلئے نرم گوشے پیدا ہوتے ہیں، جب اختلاط بڑھتا ہے تو عیسائیوں سے مؤدت کا تعلق بھی قائم ہو جاتا ہے، جسے اللہ رب العزت نے حرام قرار دیا ہے، اسی طرح انہیں یہ سوچ اور نظریہ مل جاتا ہے کہ تہوار مذہب کی طرف سے تفریح اور انجوائمنٹ کا عطا کردہ موقع ہے، لہٰذا اس میں چند عبادات کی ادائیگی کے علاوہ اپنی عقل اور خواہشات کا لحاظ رکھنا چاہیے وہ ان پروگراموں میں موسیقی، رقص اور شراب کا دور دیکھ کر اپنے مذہبی تہواروں میں اس کا معمول بنا لیتے ہیں، پھر رفتہ رفتہ یہ سوچ اور نظریہ تہواروں اور تقریبات سے نکل کر تمام مذہبی تعلیمات پر حاوی ہو جاتا ہے، اور انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اجتماعی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کا کوئی دخل نہیں اور اس کی تکمیل نفسانی خواہشات کے مطابق ہونی چاہیے۔

یہی وہ گمراہ کن نظریہ ہے جسے آج کل بعض طبقوں نے عیسائیت کی خود ساختہ دینیات سے متاثر ہو کر اپنایا ہے اور اس کا لازمی اثر یہ سامنے آیا ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو خدائی بندھنوں سے مکمل آزاد سمجھ لیا ہے، اسے عرف عام میں لادینیت (Secularism) بھی کہہ دیتے ہیں۔

بعض سادہ لوح ان گندے عقائد و نظریات سے بھی ایک قدم آگے بڑھ جاتے ہیں اور اختلاط کی وجہ سے عشق و محبت کی داستانیں چل پڑتی ہیں، باہم منہ کالا کرنے اور گھروں سے بھاگ جانے کے واقعات رونما ہوتے ہیں حتی کہ شادیاں رچانے کیلئے مذہب اسلام تک سے ناطہ رشتہ توڑ لیا جاتا ہے اور یوں ان کا سفینہ ایمان ارتداد کے تباہ کن منجدھار میں پھنس کر ہمیشہ کیلئے غرق ہو جاتا ہے۔

لہٰذا تمام مسلمانوں کی خدمت میں انتہائی تڑپ کے ساتھ یہ دردِ دل پیش کیا جاتا ہے کہ ایسے مذہبی تہواروں کی حیثیت کو اچھی طرح سمجھیں، ان کے منفی اثرات کا گہرائی سے جائزہ لیں، پھر ان سادہ لوح

مسلمانوں کو سمجھائیں جو عیسائی مشنریوں کے نورانی جالوں کا شکار بن رہے ہیں اور اپنی اولادوں کو عیسائی تعلیمی اداروں میں تعلیم دلوا رہے ہیں۔

علاوہ ازیں عیسائی مشنریوں، این جی اوز اور تعلیمی اداروں سے خود بھی بچیں اور اپنی اولاد و اعزہ و اقارب کو بھی حفاظت میں رکھیں، اللہ رب العزت ہم سب مسلمانوں کو غیر مسلموں کے شرور و فتن سے مامون و محفوظ رکھیں۔ (آمین ثم آمین)

عید میلاد النبی ﷺ کرسمس ڈے کی راہوں پر

ایک بات نہایت افسوس سے نقل کرنی پڑتی ہے کہ آج کل بعض مسلمان بھی عیسائیوں کی نقل کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے یوم ولادت باسعادت پر عجیب و غریب محافل منعقد کرتے ہیں، مکہ و مدینہ اور روضہ رسول ﷺ کی شبیہیں بنائی جاتی ہیں، موسیقی کے ساتھ نعت و نظم کا اہتمام ہوتا ہے، اگرچہ یہ محافل فی الحال کھلی فحاشی اور عریانی سے پاک ہیں، لیکن ان میں بڑھتی ہوئی بدعات، نوجوان نسل کی بے راہ روی، سنت پر عمل کے جذبے کا فقدان اور سیرت النبیؐ اپنانے کے بجائے زبانی جمع خرچ وہی عناصر ہیں، جو رسم کرسمس کی ابتدا میں عیسائی دنیا کے اندر پائے جاتے تھے اور پھر رفتہ رفتہ وہ فتنے کی صورت اختیار کر گئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ عید میلاد النبیؐ منانے والوں کا انجام بھی یہی ہو۔

عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت

اس میں شک و شبہ کی ادنیٰ گنجائش بھی نہیں کہ حضور پرنور ﷺ کے ساتھ عشق و عقیدت اور محبت عین ایمان ہے، آپ ﷺ کی ولادت سے لے کر وفات تک اسوۂ حسنہ کو پیش کرنا رحمت خداوندی کے نزول کا باعث ہے، ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ آپ ﷺ کے زندگی کے حالات معلوم کرے اور ان کو مشعلِ راہ بنائے، سال کے ہر مہینہ، مہینہ کے ہر ہفتہ، ہفتہ کے ہر دن اور ہر دن کے ہر لمحہ میں آپ کے حالات بیان کیے اور سنائے جا سکتے ہیں اس میں کوئی ممانعت نہیں۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کو میلاد کی مجلس منعقد کرنا، جلوس نکالنا، کھانے پکانا اور تقسیم کرنا اسی

التزام کے ساتھ صحابہ کرامؓ اور اہلِ خیر القرون سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ۲۳ سالہ دورِ نبوت، ۳۰ سالہ دورِ خلافت راشدہ، ۱۱۰ سالہ دورِ صحابہ اور کم وبیش ۲۲۰ سال تک تابعین واتباعِ تابعینؒ کے زمانہ میں اس کا کوئی ثبوت نہ ملے، باوجود اس کے کہ ان کا عشق کامل تھا، محبت بدرجہ اتم تھی اور احترام وتعظیم مثالی تھا، تو پھر آج میرے اور تیرے پاس اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ دین متین میں اپنی رائے سے کارِ ثواب بنا کر داخل کرتے جائیں کیونکہ یہ عدمِ امکان تو متعین ہے کہ کوئی چیز اس دور میں کارِ ثواب نہ ہو اور آج بن جائے۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ نفس ذکر ولادت اور چیز ہے اور موجودہ محافل ومجالس میلاد اور۔

چنانچہ حضرت گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''نفس ذکر ولادت مندوب ہے اور اس میں کراہت قیود کے سبب آئی ہے''۔

(فتاویٰ رشیدیہ، ج:۱، ص:۱۰۲)

علامہ ابن امیر الحاج مالکیؒ لکھتے ہیں:

ومن جملة ماحدثوه من البدع مع اعتقادهم ان ذٰلک من اکبر العبادات واظهار الشعائر مایفعلونه فی شهر الربیع الاول من المولد وقداحتویٰ ذلک علیٰ بدع ومحرمات. (مدخل ابن الحاج، ج:۱، ص:۸۵، بحوالہ راہِ سنت، ص:۱۶۴)

لوگوں کو ان بدعتوں اور نو ایجاد باتوں میں سے جن کو وہ بڑی عبادت سمجھتے ہیں اور جن کے کرنے کو شعائر اسلامیہ کا اظہار کہتے ہیں، ایک مجلس میلاد بھی ہے جس کو وہ ماہ ربیع الاول میں کرتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ یہ بہت سی بدعات ومحرمات پر مشتمل ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن مغربیؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

ان عمل المولد بدعة لم یقل به ولم یفعله رسول اللهﷺ والخلفاء والائمة. (کذا فی الشرعۃ الالٰہیہ، بحوالہ راہِ سنت، ص:۱۶۵)

بیشک میلاد کرنا بدعت ہے، نہ تو رسول اللہﷺ، آپ کے خلفاء اور ائمہ مجتہدین نے خود اس کو کیا اور نہ اس کا حکم دیا۔

علامہ احمد بن محمد مصری مالکیؒ لکھتے ہیں:

قداتفق علماء المذاهب الاربعة بذم هٰذاالعمل.

(القول المعتمد، بحوالہ راہِ سنت، ص:۱۶۵)

چاروں مذاہب کے علماء اس عمل میلاد کی مذمت پر متفق ہیں۔

امام شمس الدین محمد ابن الجزری الشافعیؒ لکھتے ہیں:

ان هذه الامة لم تتخذ ليلة مولده صلى الله عليه وسلم عيداً كما اتخذت امة عيسىٰ ليلة مولده عيداً لان الاعياد توقيفية ولم يشرع لنا غير هذين اليومين.

(جواہر البحار، ص:۱۱۵۱، بحوالہ جریدہ عالم، ص:۱۲۳)

بیشک یہ امت آنحضرت ﷺ کی پیدائش کی رات بطور عید نہیں منا سکتی جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے بطور عید منائی، اس لئے کہ عیدوں کا معاملہ توقیفی ہے (یعنی شریعت کی تعلیم اور بتلانے پر موقوف ہے) اور ہمارے لئے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے علاوہ کوئی دن بطور عید مشروع نہیں کیا گیا۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ عید میلاد النبی منانا درست نہیں، کیونکہ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور حضرت اسلاف کے ہاں اس کا کوئی رواج بلکہ ذکر تک نہیں ملتا۔

آج عید میلاد النبیؐ کرسمس ڈے کی راہوں پر گامزن ہے اور آج کا نام نہاد عاشق رسول ﷺ عیسائیوں کے کرسمس سے متاثر ہو کر آئے دن اس میں نئی نئی چیزیں داخل کر رہا ہے، بلکہ اب تک تو اس کی نماز بھی ایجاد کر لی گئی گویا اسے مکمل عید کا درجہ دے دیا گیا، جس طرح عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں نماز ادا ہوتی ہے، یہ بدعات و اختراعات کا طوفان زوروں پر ہے، آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا؟

اسلامی معاشرے میں تہوار اور عید کے نام سے منائے جانے والے اس عمل کو ذرا تاریخی حیثیت سے جانچتے ہیں اور اس وقت معاشرے پر پڑنے والے اس کے منفی اثرات کا ذکر کرتے ہیں تاکہ اس کی پوری حقیقت واضح ہو۔

عید میلاد النبی کا آغاز

مسلمانوں کے ہاں سب سے پہلے سن ۶۰۰ھ میں اس کی ابتداء عراق کے شہر موصل کے ایک فضول

خرچ اور دنیا پرست بادشاہ مظفر زین الدین علی ابوسعید کوکری بن اربل نے کی تھی، اس کے ساتھ ایک دنیا پرست عالم بھی تھا جس نے اس کو مختلف زاویوں سے اس نئی ایجاد شدہ رسم کے لیے مواد فراہم کیا تھا۔ اسی کا سہارا لے کر اس بادشاہ نے یہ رسم آگے بڑھائی جو آج ایک بڑی حد تک غیر شرعی شکل میں موجود ہے، بادشاہ نے پہلی دعوت میں علماء فضلاء کو بلا کر ایک پر رونق تقریب منعقد کی جس میں پانچ ہزار بکریاں، دس ہزار مرغیاں، سو اونٹ اور سو گھوڑے ذبح کئے، پوری رات موسیقی کے ساتھ سماع کی مجلس گرم رہی، یہ اس امت میں منایا جانے والا پہلا عید میلاد النبی تھا۔ (جریدہ عالم، ص:۱۳۳)

موجد میلاد کے بارے میں اکابر امت کی رائے

امام احمد بن محمد مصری مالکیؒ فرماتے ہیں:

کان ملکاً مسرفاً یامر علماء زمانه ان یعملوا باستنباطهم واجتهادهم وان لایتعبوا المذهب غیرهم حتیٰ مالت الیه جماعتهم من العلماء وطائفة من الفضلاء ویحتفل لمولد النبی ﷺ فی الربیع الاول وهو اول من احدث من الملوک هذا العمل. (القول المعتمد فی عمل المولد، بحوالہ راہِ سنت، ص:۱۶۲)

وہ ایک فضول خرچ بادشاہ تھا، علماء زمانہ سے کہا کرتا تھا کہ وہ اپنے استنباط اور اجتہاد پر عمل کریں اور غیر کے مذہب کی پیروی نہ کریں حتی کہ دنیا پرست علماء وخلفاء کی ایک جماعت اس کی طرف مائل ہوگئی اور وہ ربیع الاوّل میں میلاد منعقد کیا کرتا تھا، بادشاہوں میں وہ پہلا شخص تھا جس نے یہ بدعت گھڑی ہے۔

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

کان ینفق کل سنة علی المولد النبی ﷺ نحو ثلاث مائة الف.

(القول المعتمد فی عمل المولد، بحوالہ راہِ سنت، ص:۱۶۲)

وہ ہر سال میلاد النبیؐ پر تقریباً ۳ لاکھ روپے خرچ کرتا تھا۔

علامہ ابن خلقانؒ فرماتے ہیں:

کہ وہ ایک مسرف اور دین سے بے پرواہ بادشاہ تھا۔ (راہِ سنت، ص:۱۶۲)

موصل کے اس بادشاہ کیلئے میلاد النبیؐ کے سلسلے میں مواد جمع کر کے اسے ابھارنے والا اور بادشاہ کی خواہشات کو دین کا رنگ چڑھانے والا عمر بن وحیہ ابوالخطاب (المتوفی ۶۳۳ھ) تھا، یہ بادشاہ کے دربار میں بڑے بڑے انعام پاتا تھا اور نئی نئی اختراعات کرتا تھا۔ اس مواد کے بدلے اسے بادشاہ نے ایک ہزار پونڈ انعام دیا تھا۔ (دول الاسلام، ص:۱۰۴)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اسی مولوی کے بارے میں نقل کرتے ہیں:

كثير الوقيقه فى الائمةوفى السلف من العلماء خبيث اللسان احمق شديد الكبر قليل النظرفى امور الدين متهاونا. (لسان المیزان، ج:۴، ص:۲۹۶، بحوالہ راہِ سنت، ص:۱۶۳)

نیز حافظ موصوفؒ لکھتے ہیں:

قال ابن النجار رأيت الناس مجتمعين على كذبه وضعفه.

(لسان المیزان، ج:۴، ص:۲۹۵، بحوالہ راہِ سنت، ص:۱۶۳)

ان عبارات سے بخوبی واضح ہوا کہ مجلس میلاد کا آغاز کرنے والا بے دین بادشاہ اور اس کے جواز پر مواد فراہم کرنے والا خبیث اللسان، جھوٹا، متکبر اور دین سے بے پرواہ مولوی تھا اور تمام علماء اس کے جھوٹ پر متفق تھے، لہٰذا میلاد منانا کوئی دین نہیں بلکہ بدعت ہے۔

میلاد کا موجودہ منظر

یہ تو ابتداء تھی اور آج کیا عالم ہے، ربیع الاول کا مہینہ شروع ہوتے ہی ہر طرف ایک گہما گہمی ہوتی ہے، لاؤڈ سپیکروں کا بے دریغ استعمال کیا جاتا ہے، چوراہوں اور گلیوں کو سرچ لائٹس، بلبوں اور ٹیوب لائٹوں سے سجایا جاتا ہے، ہر جگہ نعلین شریف کے سبز جھنڈوں کو لگا دیا جاتا ہے، بڑی بڑی عمارتوں پر روشنی کی لڑیاں اور بہت کچھ ڈیکوریشن کا سامان لگا کر سرکاری اور غیر سرکاری بلڈنگوں کو سجایا جاتا ہے۔ بہت سا پیسہ اس فضول کام میں خرچ کیا جاتا ہے اور ربیع الاول کے بارہ دنوں میں جو بجلی سرکاری یا غیر سرکاری جائز اور ناجائز ہر طریقے سے استعمال کی جاتی ہے، اللہ کی پناہ..... حالانکہ یہ صراحتاً اسراف ہے اور شریعت مطہرہ کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید میں اسراف کی صراحتاً مذمت آئی ہے:

(۱) **اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ.** (بنی اسرائیل:۲۷)

بیشک اسراف (فضول خرچی) کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

(۲) وَلَاتُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَایُحِبُّ الْمُسْرِفِیْن. (انعام:۱۴۱)

اسراف مت کرو، بے شک اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

لیکن یہاں کروڑوں روپے آرائش ونمائش پر لگا دیے جاتے ہیں، لاؤڈ سپیکر پر بھی سارا سارا دن نعتیں نظمیں چلائی جاتی ہیں، مریض کا خیال کیا جاتا ہے نہ بچوں اور بوڑھوں کا، اور آج کل نعتیں بھی ایسے طریقہ پر پڑھی جاتی ہیں کہ سننے والا محسوس کرتا ہے کہ کسی اعلیٰ قسم کے میوزک کے ساتھ پڑھی جا رہی ہیں، اللہ ان نعت پڑھنے والوں کو ہدایت فرمائے، انہوں نے ذکر اللہ کو نعوذ باللہ میوزک اور ساز کا آلہ بنا لیا ہے، حالانکہ ان کا یہ عمل کسی طور بھی مستحسن نہیں، لیکن گنے چنے لوگ شہرت اور ٹی وی چینلز پر آنے کے شوق میں حدود اللہ کو پامال کر رہے ہیں، اللہ ہم سب کو اس سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

اس دن جو کچھ ہوتا ہے اس کا بہترین خاکہ استاد محترم شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت فیوضہم نے کھینچا ہے، حضرت لکھتے ہیں:

امسال عید میلاد النبیؐ کے نام سے کراچی میں ظلم اور جہالت کے ایسے ایسے شرمناک مظاہرے کئے گئے ہیں کہ ان کے انجام کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ مختلف محلوں کو رنگین روشنیوں سے دلہن بنایا گیا اور وہاں کے تقریباً تمام ہوٹلوں میں ''عید میلاد النبی ﷺ'' اس طرح سے منائی گئی کہ لاؤڈ اسپیکر لگا کر بلند آواز سے شب و روز ریکارڈنگ کا طوفان برپا رہا، بہت سے سینماؤں نے عید میلاد النبی ﷺ کی خوشی میں سینکڑوں بلب لگا کر ان اخلاق سوز اور برہنہ تصویروں کو اور نمایاں کر دیا جو اپنی ہر ادا سے سرکار دو عالم ﷺ کے احکام کی نافرمانی کی برملا دعوت دیتی ہیں اور انہی مقامات پر انسانیت کش تصویروں کے سائے میں شاید تبرک کے خیال سے خانہ کعبہ اور روضۂ رسول ﷺ کی تصویریں بھی چسپاں کر دی گئیں، قدم قدم پر روضۂ اطہر اور مسجد نبوی ﷺ کی شبیہیں بنا کر کھڑی کی گئیں جنہیں کچھ بے فکرے نوجوان ایک تفریح گاہ کے طور پر استعمال کر رہے تھے اور کچھ بے پردہ عورتیں انہیں چھو چھو کر خیر و برکت حاصل کر رہی تھیں اور ظاہر ہے کہ جب پورے محلّہ کو روشنیوں سے نہلا کر جگہ جگہ محرابیں کھڑی کر کے قدم قدم پر فلمی ریکارڈ بجا کر میلے کا سماں پیدا کر دیا جائے تو پھر عورتیں اور بچے ایسے میلے کو

دیکھنے کے لیے کیوں نہ پہنچیں جس میں میلے کا لطف بھی ہے اور معاذ اللہ تعظیم رسول ﷺ کا ثواب بھی، چنانچہ راتوں کو دیر تک تفریح باز مردوں، عورتوں اور بچوں کا ایسا مخلوط اجتماع رہا جس میں بے پردگی، غنڈہ گردی اور بے حیائی کو کھلی چھوٹ ملی ہوئی تھی۔

(عصر حاضر میں اسلام کا نفاذ کیسے ہو؟ ص:۳۶۶، ۳۶۷)

میلاد میں رافضیوں کی مشابہت

آج کل ایک اور تبدیلی آ گئی ہے کہ ان شبیہوں کو جلوسوں میں ساتھ لیا جاتا ہے، یہ رافضیوں کی مشابہت ہے اور ساتھ ساتھ عیسائیوں کے ساتھ بھی..... حالانکہ قران وحدیث میں تشبہ بالکفار کی تردید کی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

من تشبه بقوم فهو منهم. (ابوداؤد، رقم:۴۰۳۱)

جس شخص نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہیں میں سے ہے۔

ایک دوسری حدیث میں وارد ہے:

ليس منا من تشبّه بغيرنا. (ترمذی، رقم:۲۶۹۵)

وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے غیروں کی مشابہت اختیار کرے۔

فرمان رسول ﷺ کے بالکل خلاف میلاد منانے والے رافضیوں اور عیسائیوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

(۱) مثلاً وہ حضرت حسینؓ کی برسی مناتے ہیں اور دس محرم کو جلوس میں تعزیہ وعلم وغیرہ لے کر نکلتے ہیں جبکہ یہ لوگ حضور ﷺ کی ولادت کا جلوس نکالتے ہیں اور شبیہ کعبہ وروضہ رسول ﷺ لے کر چلتے ہیں۔

(۲) وہ گھوڑے لے کر چلتے ہیں یہ حضرات اونٹ لے کر چلتے ہیں۔

(۳) وہ حضرات تعزیہ، علم اور گھوڑے کو برکت کے لئے چھوتے ہیں اور ان کی نذر ونیاز مانتے ہیں، یہ لوگ بھی ان چیزوں کو خیر وبرکت کیلئے چھوتے ہیں اور شبیہ روضہ اقدس کی طرف منہ کر کے درود پڑھتے ہیں اور منت وغیرہ مانتے ہیں۔

میلاد میں عیسائیوں کی مشابہت

(۱) عیسائیوں کے ہاں یہ بدعت ایک دنیا پرست پادری نے شروع کی، ہمارے ہاں بھی ایک دنیا پرست بادشاہ اور مولوی نے مل کر شروع کی۔

(۲) ان کے ہاں یہ ایک سادہ سی مذہبی مجلس شمار ہوتی تھی، ہمارے ہاں بھی کچھ عرصہ پہلے تک مجلس میلاد کا ڈھانچا سادہ سا ہوا کرتا تھا اور اس میں وہ بے ہودگیاں نہیں تھیں جو اب رائج ہوگئی ہیں۔

(۳) انہوں نے بعد میں کھانا پینا شروع کر دیا، ہمارے ہاں بھی اس کو رواج دیا گیا۔

(۴) انہوں نے بھی چرچ سے باہر کرسمس منانا شروع کر دیا، ہم بھی مسجد سے باہر نکل پڑے۔

(۵) انہوں نے موسیقی شروع کر دی، ہم نے قوالیوں میں تو باقاعدہ موسیقی شروع کر دی اور نعتوں میں ذکر کو ایسی دھنوں میں ڈھال دیا کہ موسیقی اور ذکر کا امتیاز ہی نہ رہا۔

لیکن کرسمس کو زیادہ عرصہ ہو گیا ہے اس وجہ سے اسے منانے والے ہم سے خرافات میں تھوڑا آگے نکل گئے ہیں، لیکن اگر خدانخواستہ اس مسئلہ پر سنجیدگی سے نہ سوچا گیا تو ارباب فکر غور سے سن لیں کہ چند سالوں میں یہ سلسلہ عیسائیوں کے کرسمس کی طرح رقص و سرور اور شراب و کباب کی محفلوں میں بدل جائے گا۔

ان خرافات کا انجام سوچ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، روح کانپ اٹھتی ہے، کیونکہ جن چیزوں نے میلاد میں رواج پکڑ لیا ہے وہ ساری کی ساری عیسائیوں کے کرسمس سے مستعار ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ ہم سب کو تمام بدعات سے محفوظ فرمائیں اور سنت رسول ﷺ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، رسول اللہ ﷺ کا حقیقی عشق نصیب فرمائے اور علم دین کا نور نصیب فرمائے، یہ نہ ہو کہ ہم تو عشق کا نام لیتے رہیں اور شیطان ہم سے عداوت رسول ﷺ کا کام لیتا رہے۔

(آمین ثم آمین)

☆☆☆

فصل ہشتم

عیسوی تقویم.....تاریخ پردہ اٹھاتی ہے!

ماہ وسال کی کہانی

ابتدائے آفرینش سے انسان قمری ماہ وسال پر عمل پیرا چلتا آرہا ہے، کیونکہ آغاز سے مشرق کی جبیں پر سورج اُبھرتا اور پورے دن کا فاصلہ طے کر کے مغرب کی آغوش میں ڈوبتے ہوئے رات کا پیغام سُنا دیتا، اس وقت انسان کے پاس دنوں کے شمار کے لیے کوئی خاص قاعدہ کلیہ نہ تھا، بجز اس کے، کہ اسے ایک چیز وضاحت سے نظر آئی کہ اچانک چاند ایک دو دن کے لیے غائب ہو جاتا ہے، پھر باریک سا نمودار ہوتا ہے اور روز بروز بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ چودھویں شب کو عین شباب پہ پہنچتا ہے، اس کے بعد وہ پھر سے گھٹنا شروع ہو جاتا ہے اور گھٹتے گھٹتے دوبارہ پہلی جیسی حالت پہ آجاتا ہے، چاند کے اس عروج وزوال کا دورانیہ اُنتیس یا تیس دن پر مشتمل ہوتا ہے جب یہ بارہ دورانیے پورے ہوتے تو انسان مشاہدہ کرتا کہ تقریباً دوبارہ وہی موسم لوٹ آیا ہے، یہیں سے انسان نے ماہ وسال کے فطری نظام پر عمل کر کے مہینوں اور سالوں کا شمار شروع کیا، اس کے لیے نہ تو کسی فلکیاتی حساب کی ضرورت تھی اور نہ ہی کسی رصد گاہ کی، بس اتنی بات تھی کہ سال کے شمار کے لیے کسی بڑے واقعہ یا حادثے کو نقطہ آغاز مقرر کر لیا جاتا۔

شمسی تقویم کا آغاز

لیکن کچھ عرصے بعد ایک انوکھا انقلاب آیا، ہوا یوں.... کہ انسانوں نے مذہبی عبادات ورسومات، تہوار اور سالانہ میلے منعقد کرنے کے لیے گھروں سے ہٹ کر عبادت خانے تعمیر کرنا شروع کیے اور ساتھ ساتھ ان صومعات اور کلیساؤں میں پروہت اور احبار بھی مقرر کر دیئے، جو مذہبی پیشوا کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان پیشواؤں نے اپنی گزر بسر کیلئے لوگوں سے ہر سال مخصوص مقدار میں فصل کا مطالبہ

شروع کر دیا، جب فصل تیار ہوتی تو لوگ بطور نذرانہ کچھ حصہ پروہتوں کی خدمت میں حاضر کر دیتے، لیکن لوگوں کو تین چار سال بعد مشکل یہ پیش آئی کہ قمری سال تمام ہو جاتا، لیکن فصل پکنے میں ابھی مہینہ یا ڈیڑھ مہینہ باقی ہوتا، لہٰذا سال کے اختتام پر فصل تیار نہیں ملتی تھی، اُدھر سال پورا ہونے پر پیشواؤں کے مطالبے زور و شور سے شروع ہو جاتے، اس مشکل کو حل کرنے کیلئے لوگوں نے سال کے دن بڑھا دیے تا کہ فصل کی تیاری تک کسی نہ کسی طرح سال کھینچ کر طویل ہو جائے، ان دنوں کے اضافے کو ''لوند'' اور ''کبیسہ'' کا نام دیا گیا، یہ اضافہ مستقل مہینے کی صورت میں نہیں تھا بلکہ ہر مہینے کے ساتھ کچھ دن بڑھا دیئے جاتے، جس کی وجہ سے سال قمری حساب سے طویل ہو جاتا، پہلے پہل انہی اضافوں کا سلسلہ چلتا رہا، بعد میں سورج کے طلوع اور غروب سے حساب شروع کر دیا گیا، بالآخر یہی اضافے شمسی تقویم کے رواج کا باعث بن گئے اور یوں لوگوں نے بعض معمولات میں باقاعدہ شمسی حساب کو دخل دے دیا، کیونکہ شمسی حساب کے مطابق ہر سال مقررہ تاریخوں پر فصل تیار مل جاتی تھی۔ تاریخی شواہد بتلاتے ہیں کہ اس کی ابتداء کرنے والے روم کے باشندے تھے۔

شمسی تقویم... مہینوں کے نام

اس لئے کہ شمسی کیلنڈر کے مہینوں کے نام قدیم رومی دیوتاؤں کے ناموں کے مطابق ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کے مطابق شمسی سال کے مہینوں کی تفصیل کچھ یوں ہے:

جنوری..... رومی کیلنڈر کا پہلا مہینہ ہے، اس کا نام جانوس (Janus)، دیوتا کے نام سے ماخوذ ہے، مؤرخین کا کہنا ہے کہ جانوس دیوتا کے دو چہرے ہوتے تھے اور رومی باشندوں کا عقیدہ تھا کہ یہ دونوں اطراف سے دیکھتا ہے۔

فروری..... فبروا (Februa) سے ماخوذ ہے، بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ یہ تطہیر و تزکیہ کا ایک تہوار ہے جو اس مہینے کی پندرہ تاریخ کو منایا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں یہ ایک دیوی کا نام تھا جسے اہل روم پاکیزہ دیوی سمجھتے تھے۔

مارچ..... رومی کیلنڈر کا تیسرا مہینہ اس کا نام مارس (Mars) نامی دیوتا کے نام پر رکھا گیا، مؤرخین کا کہنا ہے کہ یہ رومیوں کا جنگی دیوتا تھا۔

اپریل.....رومی باشندے اس مہینے کو ''وینس'' نامی دیوی کی وجہ سے انتہائی مقدس سمجھتے تھے، اپریل کا نام ''وینس'' کے یونانی مرادف لفظ افرڈائٹ (Aphrodite) یا لاطینی لفظ (اپرائر) سے نکلا ہے، روم کی سرزمین اس مہینے پھولوں کا گلدستہ بن جاتی ہے اور ہر طرف ہریالی ہی ہریالی نظر آتی ہے، بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ اپریل ابیریری سے لیا گیا ہے جس کا معنی لغت میں کھلنے اور پھوٹنے کے ہے۔

مئی.....''میا'' (Maia) کی بگڑی ہوئی شکل ہے، مؤرخین کا کہنا ہے کہ یہ افسانوی شیطان ''اٹلس'' کی بیٹیوں میں سے ایک کا نام ہے۔

جون.....اس مہینے کا نام رومی دیوی ''جونو'' (Juno) کے نام پر رکھا گیا ہے، مؤرخین کا کہنا ہے کہ یہ رومی دیویوں کے سردار ''جیوپٹر'' کی بیوی کا نام ہے۔

جولائی.....کے بارے میں مؤرخین کہتے ہیں کہ ''جولیائی کیلنڈر کے بانی'' جولیس سیزر (Julius serasar) کی یادگار کے طور پر اس مہینے کا نام جولائی رکھ دیا گیا۔

اگست.....رومیوں کے پہلے بادشاہ اور جولیس سیزر کے جانشین اگسٹس (Augustus) کی یادگار ہے۔

ستمبر لاطینی زبان میں ساتویں مہینے کو، اکتوبر آٹھویں مہینے کو، نومبر نویں مہینے کو اور دسمبر دسویں مہینے کو کہا جاتا ہے اس لیے کہ قدیم رومی کیلنڈر میں مارچ سال کا پہلا مہینہ ہوا کرتا تھا۔

(انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، مادہ: منتھ آف ائیر، ص:۲۹۲)

شمسی تقویم رومی ترامیم کی زد میں

روما میں شمسی کیلنڈر روز اول سے ترامیم کی زد میں رہا، پہلے پہل مارچ کو سال کا پہلا مہینہ سمجھا جاتا تھا اور قریباً سارے رومی اسی کے پابند تھے، لیکن ۱۵۳ قبل مسیح کو سال کا نقطہ آغاز سرکاری طور پر تبدیل کر کے مارچ کے بجائے جنوری کو قرار دیا گیا۔

اس اعلان پر رومی ریاستوں میں تصادم اور تنازع کا بازار گرم ہو گیا، قدامت پسند جنوری کو نقطہ آغاز تسلیم کرنے سے قطعی طور پر انکاری تھے، ان کا اصرار تھا کہ مارچ ہی کو نقطہ آغاز برقرار رکھا جائے، یہ تصادم بعض ریاستوں میں بڑی خون ریزی کا بھی باعث بنا، لیکن جلد ہی جولین کیلنڈر کا اعلان ہوا،

جولین نے اسے غلط قرار دے کر نئے حساب کی بنیاد ڈالی اور ماہ اپریل کو سال کا نقطہ آغاز قرار دیا، مؤرخین لکھتے ہیں کہ جولین کیلنڈر کی ابتدا غالباً ۴۶ ق م کو ہوئی۔ جولین نے پرانے کیلنڈر میں اس درجہ تبدیلیاں کیں کہ اسے مکمل مسخ کر دیا، اس لئے نیا کیلنڈر اسی کے نام سے مشہور ہوا۔ لیکن کچھ عرصے بعد جولین کی معلومات بھی غلط قرار پائیں، اور یہ کیلنڈر مسلسل تختۂ مشق بنا رہا۔

دلچسپ کھیل

جولین کے چھ سو سال بعد اس کیلنڈر کے ساتھ ایک عجیب اور دلچسپ کھیل کھیلا گیا، ہوا یوں کہ ایک عیسائی راہب، ''ڈینس ایگزیگوس'' نے اس کیلنڈر میں نئی ترمیم کی اور اس ترمیم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا۔ اس نسبت کے بعد یہ مسیحی کیلنڈر کہلانے لگا اور اس کا نقطہ آغاز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے کا واقعہ قرار دے دیا گیا، اس تبدیلی کے بعد یہ شمسی کیلنڈر پوری دُنیائے عیسائیت کا مذہبی شعار بن گیا اور اسے زبردست شہرت مل گئی، یہاں تک کہ عیسائیوں نے اپنی عبادات، رسومات اور تہوار وغیرہ اسی تقویم کے مطابق منانا شروع کر دیئے، رفتہ رفتہ اسے دیگر اقوام عالم نے بھی قبول کرنا شروع کیا، لیکن اس تقویم کو رائج کرنے کے بعد جلد ہی دنیائے عیسائیت پر پشانیوں کا شکار ہوگئی.... کیوں؟ اور کیسے؟

تقویم شمسی میں عیسائیوں کی ترامیم

اس لئے کہ زمین سورج کے گرد ایک دائرے میں اپنا چکر ''۴۶/۴۸/۵/۳۶۵ دنوں میں مکمل کرتی ہے، اس مدت کو بارہ مہینوں پر پورا پورا تقسیم کرنا ناممکن ہے، لہٰذا سات مہینوں کے دن اکتیس، چار مہینوں کے تیس اور ایک مہینے کے اٹھائیس مقرر ہوئے، رہا کسور کا اضافہ، تو اسے نمٹانے کے لئے ہر چوتھے سال فروری کے مہینے میں ایک دن کا اضافہ کر دیا جاتا ہے اور وہ اُنتیس دنوں کا شمار ہوتا ہے (اسے لیپ کا سال کہتے ہیں)۔ لیکن ماہرین پر یہ حقیقت واضح ہے کہ یہ تقسیم بھی کسور پر حاوی نہیں ہوتی، اس لیے چار سو سال کے بعد موسم اور مہینہ میں فرق پڑ جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عیسائی بھی اس کیلنڈر کو ایک حالت میں باقی نہ رکھ سکے اور رومیوں کی طرح اس میں بار بار ترمیم کیں، ۸ء، ۹۹ء

۱۷۷۴ء اور ۱۵۸۲ء عیسوی کی ترامیم تو تاریخ میں واضح طور پر موجود ہیں، نجانے اس کے علاوہ کتنی دفعہ اسے تبدیل کیا گیا اس کا کوئی اندازہ نہیں، لیکن مطالعۂ تاریخ سے یہ بات آشکارا ہوتی ہے، کہ مسیحی فطرت نے بہرحال اس میدان میں قدیم رومیوں پر ضرور سبقت حاصل کی ہے۔

ان ترامیم کی نوعیت یہ تھی کہ کبھی سال سے آٹھ دن، کبھی دس دن اور کبھی بیس دن کم کر دیئے جاتے، کبھی سال چودہ مہینوں کا شمار کیا جاتا اور کبھی ساڑھے دس مہینوں کا بنالیا جاتا۔

سال کے نقطۂ آغاز کے بارے میں بھی بہت شدت سے اختلاف رہا، بعض نصاریٰ ۲۵ دسمبر کو نئے سال کا آغاز سمجھتے رہے، ان کا کہنا تھا کہ اس دن حضرت مریم علیہا السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ملی تھی، بعض نصاریٰ جنوری کو سال کا آغاز قرار دیتے تھے اور بعض قدیم رومیوں کی اقتداء کر کے مارچ کو سال کا نقطۂ آغاز سمجھتے تھے۔

مسیحی دنیا اسی کشمکش میں صدیوں تک مقدس ایام، عیدوں، تہواروں اور عبادات کے دن گم کیے رہی اور اپنے اقرار کے مطابق ۱۵۸۲ء تک صحیح دنوں کا تعین نہ کر سکی، لہٰذا اپنی تمام تر مذہبی عبادات و رسومات کو غلط حساب سے ادا کرتی چلی آ رہی تھی۔

گریگوری کیلنڈر اور اس کا تدریجی ارتقاء

۱۵۸۲ء میں روم (اٹلی) کے پوپ گریگوری نے سابقہ تمام کیلنڈروں کو غلط قرار دے کر ایک نئی تقویم کی بنیاد رکھی جو بارہ مہینوں پر مشتمل تھی اور اس کا نقطۂ آغاز ماہ جنوری کو قرار دے دیا گیا۔

پوپ گریگوری نے سابقہ تمام کیلنڈروں کو غلط قرار دے کر گویا یہ تسلیم کر لیا کہ دنیائے عیسائیت پندرہ صدیوں تک اپنی عبادات کو صحیح وقت پر ادا کرنے کے بارے میں گمراہ و سرگرداں رہی۔

گریگوری کیلنڈر کو سب سے پہلے فرانس نے تسلیم کیا اور سرکاری سطح پر اس کے نفاذ کا اعلان کر دیا، اس وقت فرانس کے حکمران ہنری سوم تھے، ہنری کو شدید عوامی دباؤ کا سامنا کرنا پڑا، فرانس کی عوام گریگوری کیلنڈر کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر کے سڑکوں پہ نکل آئی، دوسری طرف حکومت کا مراعات یافتہ طبقہ احتجاج کرنے والوں کے خلاف سرگرم عمل ہو گیا، اگرچہ ان کی تعداد مخالفین کے مقابلے میں کم تھی لیکن حکومتی سرپرستی نے انہیں تقویت بخشی اور اس ٹکراؤ کا سلسلہ بڑھتے بڑھتے

خونریزی کی شکل اختیار کر گیا، حکومت نے مخالفین کو سختی سے کچلا اور کئی لوگوں کو پابند سلاسل کیا، کیونکہ پوپ کی قربت اور چرچ کی شفقتوں سے فیضیاب ہونے کیلئے اس کے پاس یہی راستہ تھا، بہرحال اس سے یہ ثابت ہوا کہ عیسائی دنیا چرچ کے اس فیصلے پر متفق نہ ہوسکی اور عیسائی تقویم بدستور اختلافات کا شکار رہی۔

☆اسکاٹ لینڈ (Scot Land) نے ۱۶۶۰ء میں گریگوری کیلنڈر کو سرکاری طور پر تسلیم کر کے نافذ کیا۔

☆ڈنمارک نے ۱۷۰۰ء میں گریگوری کیلنڈر کو نافذ العمل قرار دیا۔

☆برطانیہ کے ہاں ۱۷۵۲ء کو گریگوری کیلنڈر قابل تسلیم قرار پایا، برطانوی حکومت کو گریگوری کیلنڈر کے نفاذ میں انہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، جو فرانس میں درپیش تھیں، اکثر ریاستوں میں اس کیلنڈر کو محل نظر قرار دیا گیا اور بہت سے لوگ اس کے مخالف بن گئے، عیسائیوں کا ایک طبقہ اس بات کا قائل تھا کہ آج تک ہم اپنے عبادات غلط اوقات پر اور اپنے تہوار غلط ایام میں مناتے رہے، صحیح تقویم وہی ہے جو پوپ گریگوری نے پیش کی ہے، جب کہ بعض قدامت پسند سابقہ تقویمات سے کسی صورت میں دستبردار ہونے کیلئے تیار نہیں تھے اور وہ انہیں اوقات و ایام کو معتبر سمجھتے اور بتلاتے تھے۔اس صورتحال سے جہاں گریگوری کیلنڈر کا وزن معلوم ہوتا ہے وہاں یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ عیسوی تقویم من حیث المجموع ہر دور میں خواہشات کے ترازو پر تولی گئی ہے، لہٰذا اس کا رواج کسی طرح مناسب نہیں۔

☆روس نے ۱۹۱۸ء میں گریگوری کیلنڈر کے باقاعدہ نفاذ کا اعلان کیا۔

مذکورہ تفصیلات سے یہ واضح ہوا کہ گریگوری کیلنڈر کے منظر عام پر آنے کے بعد بھی ایک طویل عرصے تک ان ممالک میں اس کا نفاذ مشکل رہا، اس کیلئے رفتہ رفتہ راہیں ہموار کی گئیں اور عیسائیت کے اس طبقے کو کسی نہ کسی طرح مغلوب کیا گیا جو گریگوری کیلنڈر کی شدید مخالف تھی، یورپی تاریخ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں انتہائی خون خرابا ہوا اور فی الحقیقت گریگوری کیلنڈر کو بزور بازو نافذ کیا گیا، اس عرصے میں عیسائی دنیا اوقات عبادت اور ایام تہوار کے متعلق اختلافات کے دلدل میں پھنسی

رہی اور آج تک اس کے عناصر بعض عیسائی ریاستوں میں پائے جاتے ہیں۔

بہر حال گریگوری کیلنڈر کو خود عیسائی ماہرین کی تحقیقات کی روشنی میں بھی فروگزاشتوں سے پاک نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ آج بعض عیسائی ماہرین فلکیات عیسوی تقویم کے بارے میں اضطراب کا شکار ہیں، بلکہ یہودی اور ہندو بھی اسی کیفیت میں مبتلا ہیں اس لیے عیسائی اپنا ایسٹر، ہندو دیپاولی اور یہودی صوم کبور قمری تقویم کے مطابق مناتے ہیں۔

موجودہ شمسی کیلنڈر کے بارے میں اضطراب کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ۱۹۲۳ء میں مجلس اقوام جنیوا نے ایک خاص کمیٹی نیا کیلنڈر بنانے اور اسے رائج کرنے کے لیے تشکیل دی، اس کمیٹی نے بہت کام کیا اور آخر میں ایک ضخیم رپورٹ پیش کی۔ جس میں کئی لایعنی باتوں کے ساتھ ساتھ اس بات کی تجویز بھی شامل تھی کہ سال تیرہ مہینوں کا ہونا چاہیے، اس کمیٹی نے یہ بھی واضح کیا کہ ایسا کیلنڈر بنانا ناممکن ہے جس میں ہمیشہ کے لیے موسم اور تاریخ ساتھ ساتھ رہیں اور یہ بھی ناممکن ہے کہ سارے جہان میں کسی خاص مہینے میں ایک ہی موسم رہے۔

یہ رہا عیسائی تقویم کا کھوکھلا پن..... جو تقویم آج تک اپنی جگہ قرار نہ پا سکی وہ اس قابل کیوں کر ہو سکتی ہے کہ زندگی کے جملہ معمولات، ملکوں کی تجارتیں، نظام ہائے حکومت اور تمام تر کاروبار زندگی پوری طرح اس کے مطابق سرانجام پائیں، درحقیقت یہ مغربی افکار کا اثر اور غلامانہ روش کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس ایک قابلِ عمل تقویم موجود ہونے کے باوجود آج عیسائیت کی خودساختہ تقویم کو اپنی زندگی میں رواج دیئے بیٹھے ہیں۔

قمری تقویم حقیقی ہے

اب آتے ہیں قمری نظام الاوقات کی طرف..... قمری حقیقی سال ہے، اس میں موسم کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا، کبھی یہ سال سردیوں میں شروع ہوتا ہے اور کبھی گرمیوں میں، کبھی بہار میں اور کبھی خزاں میں..... غرض اس کے بارہ مہینے ۳۶ برس کے عرصے میں موسم کے ہر حصّے سے گزرتے ہیں۔

چاند زمین کے گرد جس دائرے میں گھومتا ہے، وہ بالکل گول نہیں، اس لیے کبھی زمین کے قریب تر ہوتا ہے اور کبھی بعید تر.....

اسی طرح چاند کی رفتار ہر جگہ برابر نہیں ہوتی، کہیں تیز ہوتی ہے اور کہیں سست، اس لیے زمین کے گرد چاند کا چکر کبھی ۳۰ دن میں مکمل ہوتا ہے اور کبھی ۲۹ دن میں۔

زمین کے گرد چاند کے بارہ چکروں کی مجموعی مدت ''۳۴/۴۸/۰۰/۳۵۴'' دن ہوتی ہے، اس لیے ہر قمری سال اتنی ہی مدت کا ہوتا ہے، اس میں کسی حسابی زحمت کے اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ کسی ایک مقام پر تیرھویں بار چاند مذکورہ مدت سے کم مدت کے اندر اندر نظر آ ہی نہیں سکتا، اس لیے اس حساب پر مبنی مسلمانوں کا نظام الاوقات اور تقویم، ہندوؤں کی جنتری، سنسکرتوں کی پترا اور انگریزوں کے کیلنڈر سے بہر حال فائق ہے۔

قمری سال کا نقطہ آغاز

قمری سال مسلمانوں کے ہجری کیلنڈر میں شمار ہوتا ہے جس کا نقطۂ آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا مکہ سے مدینہ ہجرت کرنا ٹھہرا، اقوام عالم سالوں کے شمار کے لیے نقطہ آغاز زلزلے، سیلاب اور جنگوں کے واقعات بناتی تھیں، عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پہ اٹھایا جانا، یہودیوں نے بزعم خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قتل، ہندوؤں نے راجہ بکر ماجیت کے جشن تخت نشینی اور اٹلی والوں نے اٹلی میں آگ لگنے کے مشہور واقعہ کو نقطہ آغاز تسلیم کیا۔ یہ مسلمانوں کا امتیاز ہے کہ ان کی تقویم کا نقطۂ آغاز ہجرت جیسی اعلیٰ وافضل اور پُر مجاہدہ وعظیم عبادت ٹھہری۔

یہ نقطہ آغاز مسلمانوں کو ہر سال کی آمد پر بہت سی باتوں کی یاد دلاتا ہے مثلاً یہ کہ

☆ اسلام پھولوں کی سیج پر نہیں اٹھا بلکہ ہر دور میں پر خار شاہراہوں کا راہی رہا ہے، ہجرت، جہاد اور قربانی اس کی بنیاد ہیں اور ان چیزوں کا تسلسل ہی اس کی ترقی، اعلاء اور بقاء کا ضامن ہے۔

☆ یہ واقعہ ہر سال مسلمانوں کو اخوت ومحبت اور بھائی چارے کا درس دیتا ہے اور اللہ کے راستے میں اپنا تن، من، دھن پیش کرنے والوں کی نصرت کا سبق دلاتا ہے۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ ہماری تقویم کی ابتداء اور نقطہ آغاز بھی عبادت ہے، مسلمانوں نے اپنے معمولات سرانجام دینے کیلئے قمری سال ہی کو کیوں اختیار کیا، اس کی کئی وجوہات ہیں، آیئے! ان کا اجمالی جائزہ لیتے ہیں۔

قمری تقویم کی ترجیح کی وجوہات

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ. (یونس:۵)

ترجمہ: وہ خدا ہی ہے جس نے سورج کو روشنی اور چاند کو نور بنایا اور اس کے لئے منزلیں مقرر کی ہیں تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب جان سکو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اِثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ. (توبہ:۳۶)

ترجمہ: اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینے ہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں مقرر ہیں۔

ان آیات میں قمری سال کی اہمیت وضاحت سے بیان کی گئی ہے، آپ پر یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ فطری طور پر بارہ مہینے قمری سال کے بغیر کسی حسابی دقت کے بن جاتے ہیں، جبکہ عیسوی شمسی سالوں میں مہینوں کا حذف و اضافہ ہر دور میں جاری رہا ہے۔

☆ عیسوی شمسی سال، انسانوں کے خود ساختہ اور اختراعی حساب پر مبنی ہے، جبکہ قمری سال کا حساب تمام انبیاء کی شریعتوں میں نافذ العمل رہا ہے۔

☆ آج تک کسی ایک تاریخی حوالے سے بھی یہ بات ثابت نہیں کی جا سکی کہ قمری حساب پر مشتمل مسلمانوں کے ہجری کیلنڈر کے مہینوں میں پندرہ صدیوں کے دوران ردوبدل کیا گیا ہو، یا اس کا نقطۂ آغاز تبدیل کیا گیا ہو، جبکہ عیسوی تقویم کی ترمیمات اقوام عالم پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ اس لیے ہمیں اس بات پر برملا فخر ہے کہ ہمارا قمری نظام ہر قسم کے شبہے سے بالاتر ہے اور اس کا مقابلہ شمسی یا نجومی تقویم ہرگز نہیں کر سکتی۔

☆ قمری تقویم کا بنیادی خاصہ اس کا فطری ہونا ہے اسی وجہ سے یہ اتنا آسان ہے کہ ہر علاقے میں خواندہ و ناخواندہ شہری و دیہاتی اور مرد و عورت چاند دیکھ کر آسانی سے اس کا ادراک کر سکتے ہیں کہ آج چاند کا کون سا دن ہے اور مہینہ پورا ہونے میں کتنے دن باقی ہیں۔ چونکہ دین اسلام بھی ایک

عالمگیر دین ہے اور تمام انسانوں کے لئے ہے، اس لیے اس نے اس آسانی کو پسند فرمایا تا کہ ہر معاملے میں کام آنے والی یہ چیز صرف فلکیاتی ماہرین کے ساتھ خاص نہ رہ جائے، جبکہ موجودہ عیسوی شمسی اور نجومی نظام سورج اور ستاروں کے صحیح اُصولوں اور ضابطوں کے مطابق معلوم نہیں ہوتا اور اگر اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو سورج اور ستاروں کی حالتوں کو دیکھ کر اتنی آسانی سے اندازہ کرنا کہ آج کون سی تاریخ ہے، ہر ایک کیلئے مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

☆قمری مہینوں کے نام شرک اور گناہ کی طرف نسبت سے پاک ہیں بلکہ یہ نام تو منصوص ہیں، جبکہ عیسوی کیلنڈر کے اکثر نام تو صراحتاً بتوں کے ناموں پر رکھے گئے ہیں اور بعض میں شرک و نحوست کی آمیزش نمایاں ہے۔

☆قمری نظام الاوقات میں عبادات و احکام اور اسلامی تہواروں کے دن سال کے گھومنے کی وجہ سے مختلف موسموں میں گھومتے پھرتے ہیں اور اس طرح دنیا کے ہر خطے میں رہنے والے مسلمان ہر موقع اور ہر موسم میں عبادات کی ادائیگی کے مزے سمیٹتے ہیں یعنی حج جس طرح گرمیوں میں آتا ہے اسی طرح سردیوں میں بھی آجاتا ہے، اسی طرح روزہ بھی سال کے تمام موسموں میں گھومتا ہے۔

☆عبادات اور تہواروں کا سال کے تمام موسموں میں گھومنا بھی ایک عجیب حکمت رکھتا ہے جو صرف قمری تقویم پر عمل کرنے ہی سے پوری ہوسکتی ہے، وہ اس طرح کہ اگر خدانخواستہ ہماری عبادتیں خصوصاً روزہ وغیرہ شمسی تقویم کے مطابق ہوتیں اور فرض کریں کہ روزہ کا مہینہ دسمبر قرار دیا جاتا تو خطِ استواء سے شمال کی طرف بسنے والے ہمیشہ مزوں میں ہوتے کیونکہ شمال کی طرف ہمیشہ دسمبر کے دن چھوٹے اور سردی کا موسم ہوتا ہے اور خط استواء سے جنوب کی طرف رہنے والے ہمیشہ سختی میں مبتلا رہتے کیونکہ اس طرف ہمیشہ دسمبر کے دن بڑے اور گرمی کا موسم ہوتا ہے اسی طرح دیگر مہینوں کا حال ہے جو ہمیشہ ایک رہتا ہے اگر ہمارا سابقہ اس صورت حال سے ہوتا تو نجانے کیسے کیسے وساوس اور اوہام اللہ تعالیٰ کے بارے میں دلوں میں اٹھتے کہ ایک طرف والوں کو تو ہمیشہ فراخی دے دی اور دوسری طرف والے ساری عمر مجاہدے اور تنگی کا شکار رہے، یہ قمری تقویم پر عمل کا کمال ہے کہ یہ صورت حال کہیں مستقل پیش نہیں آتی۔

یہ چند خصوصیات کا اجمالی سا تذکرہ تھا جو قمری تقویم کو اختیار کرنے کی حکمت کے طور پر بیان کی گئیں، اصل علت تو شریعت کا حکم ہے، بہر حال عقلی تقابل میں قمری تقویم کی ترجیح کو ثابت کرنے کیلئے یہی خصوصیات کافی ہیں، اگر اس موضوع پر مزید غور کیا جائے تو شاید بہت زیادہ خصوصیات ظاہر ہوں۔

قمری ہجری کیلنڈر پر مسلمانوں کی جملہ عبادات خصوصاً روزہ، زکوٰۃ، حج اور تہواروں کا دارومدار ہے، اس لیے فقہاء نے اس کا علم فرض کفایہ قرار دیا ہے، لیکن آج حالت بالکل برعکس ہے، ایک چھوٹے سے چھوٹا بچہ کھڑا ہو کر شمسی سال کے مہینے فر فر گنوا سکتا ہے لیکن کوئی پڑھا لکھا سنجیدہ شخص اسلامی مہینوں کے نام سے واقف تک نہیں ہوتا، آج مغرب کی پیروی اور عیسائیوں کی مشابہت اس درجہ ہمارے اندر رچ بس گئی ہیں کہ اسلامی تاریخ کا رواج تقریباً ختم ہو گیا ہے، عوام الناس کا کیا کہنا خالص دیندار طبقے بھی آج اس چیز سے غافل ہیں اور اس وقت مجموعی صورت حال یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنا تقویمی نظام پس پشت ڈال کر اقوام عالم میں اپنی شناخت تقریباً ختم کر دی ہے۔ افسوس ناک صورت حال یہ ہے کہ قمری مہینوں کا یاد رہنا تو درکنار ان کا درست تلفظ اور ان کی صحیح ادائیگی میں بھی بڑے بڑے لوگوں کی زبانیں پھسل جاتی ہیں۔

آج ہمارے ملک کے تمام تر قومی ایام شمسی تقویم کے مطابق منائے جاتے ہیں، ہمیں اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے بابرکت مہینے جمعہ کے خوبصورت دن اور ۲۷ رمضان یعنی شب قدر کی مبارک ساعات میں آزادی نصیب فرمائی، لیکن آج کسی کو معلوم تک نہیں کہ ہم قمری تقویم کے مطابق کب آزاد ہوئے ہیں، بس ۱۴ اگست ایسے ذہن میں بیٹھا کہ اسلامی تشخص ہی بھول گئے۔

ایسے حالات میں اشد ضرورت ہے کہ ہجری کیلنڈر کو رواج دیا جائے۔ بعض اسلامی ملکوں میں ہجری کیلنڈر رائج ہیں، وہاں کاروبارِ زندگی میں کوئی خلل نہیں بلکہ ملک وملت کے معاملات بہترین نہج پر انجام پا رہے ہیں، لہٰذا ملکی سطح پر اس چیز کا نفاذ ضروری ہے لیکن ہمارے غلام حکمران تو شاید اس کا تصور تک بھی حرام سمجھیں، چہ جائیکہ اس کو رواج دینے کی بات کی جائے۔

بہر حال دینی شعبوں سے وابستہ افراد اور حکومتی اداروں میں کام کرنے والے صاحبان عمل بھی اگر قمری تاریخوں کی ترویج اور اشاعت پر توجہ دیں تو انشاء اللہ اس بارے میں راست قدم ہوگا، اگر ہم قمری

تقویم کے مطابق ہی جملہ معمولات نمٹانے کا عزم کر لیں تو بہت سے جھگڑے از خود نمٹ جائیں گے جو ہر سال رؤیت ہلال پر مسلمانوں کے درمیان برپا ہوتے ہیں، اس طرح مسلمانوں کے ایک قابل فخر امتیاز کی بقاء کا بھی سامان ہوگا جو مٹتا جا رہا ہے۔

☆☆☆

فصل نہم

کرکٹ ایک نشہ.....ایک طوفان

کرکٹ کا نشہ

کرکٹ کا طوفان برپا ہے، یہ عجیب نشہ ہے جس نے تا حال امت کے ایک بڑے طبقے کو مدہوش کر رکھا ہے۔ کیا مرد، کیا عورت؟ کیا بچے، کیا بوڑھے؟ کیا دنیا دار، کیا دیندار؟ بادی النظر میں کرکٹ کا نشہ ہر دماغ پہ طاری نظر آتا ہے، یہ کھیل کہاں سے شروع ہوا؟ کن کے ہاں شروع ہوا؟ اس کے مضر اثرات کیا ہیں؟ اور کون لوگ اسے اس وقت بطور ہتھیار استعمال کر رہے ہیں؟

آیئے! ان چبھتے ہوئے سوالات کو لے کر ساگرِ تاریخ میں غواصی کرتے ہیں، شاید کچھ موتی ایسے ہاتھ لگ جائیں، جن کی چمک مغلوب نگاہوں کو غلبے کی روشنی مہیا کر دیں.....

کرکٹ تاریخ کے آئینے میں

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کرکٹ کی شروعات کی طرف اس عبارت سے اشارہ کرتا ہے۔

It was probably played in England by The 13th Century, and the first set of rules was written in 1744.

(Britannica 735:3)

یعنی کرکٹ تیرہویں صدی عیسوی میں سب سے پہلے انگلینڈ کے اندر کھیلا گیا اور اس کے باقاعدہ قوانین سب سے پہلے 1744ء کو لکھے گئے۔

کرکٹ چار سو سال سے زائد عرصہ محض ایک بے قاعدہ کھیل رہا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اسے اتنی ترقی ملتی گئی کہ آج یہ بین الاقوامی کھیل سمجھا جاتا ہے اور دنیا میں اس کے کھیلنے اور دیکھنے والے دیگر تمام کھیلوں کی نسبت سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں۔

کرکٹ کا پس منظر

کرکٹ کا پس منظر یہ ہے کہ یورپ کی آب و ہوا سخت سرد ہے سال کا اکثر حصہ یورپی باشندے گھروں کے اندر آگ تاپتے، ٹی وی دیکھتے اور شطرنج کھیلتے ہوئے گزار دیتے ہیں، ایک زمانہ تھا جب گھروں میں تفریح کے ایسے ذرائع موجود نہیں تھے، لہٰذا کڑاکے کی سردی اہل یورپ کو گھروں میں قیدی کی طرح محبوس کر دیتی اور وہ مختصر سی گرمیوں کا انتظار کرتے کرتے بے کاری کی حالت میں اکتا جاتے، جب سردی کا طویل زمانہ ختم ہوتا اور اہل یورپ تیز اور سکون بخش دھوپ کا نظارہ کرتے تو اس سے محظوظ ہونے کیلئے بچے، بوڑھے، جوان اور عورتیں مختصر لباس پہن کر گھروں سے نکل آتے اور سڑکوں، میدانوں اور پارکوں میں کھیل کود شروع کر دیتے، اہل یورپ اس مختصر دورانیے سے لطف اٹھانے کیلئے ایسے کھیلوں کی تلاش میں رہتے جو ذہنی فرحت اور جسمانی راحت کا زیادہ سے زیادہ باعث ہوں اور اس میں اجتماعی رنگ بھی پایا جائے، یعنی کھیلنے اور دیکھنے والے یکساں مزہ اٹھا سکیں، اسی جذبے کے تحت وہ طرح طرح کے کھیل شروع کرتے اور انہیں اپنی اپنی پسند اور سوچ کے مطابق آزماتے۔

پہلے پہل کپڑے سے ایک گیند نما گولا بنایا جاتا، ایک آدمی کو ڈنڈا تھما کر دوسری طرف کھڑا کیا جاتا، پھر گولا اس کی طرف زور سے پھینک دیا جاتا اور ڈنڈا بردار اس گولے کو زمین پر گرنے سے پہلے پہلے مارنے کی کوشش کرتا۔ اس وقت نہ تو پچ اور وکٹ کا رواج تھا اور نہ رنز وغیرہ کا..... ہاں جب گولے کو ڈنڈا رسید ہوتا اور وہ ہوا میں اچھلتا تو ادھر ادھر کھڑی مخلوق اسے پکڑنے کیلئے دوڑ لگا دیتی..... یوں دھوپ کی تمازت سے محظوظ ہونے کیلئے شروع کیا جانے والا یہ کھیل رفتہ رفتہ کرکٹ کی صورت اختیار کر گیا، یہاں تک کہ 1744ء میں اس کے باقاعدہ قوانین تیار ہو گئے۔

الغرض یہ زہریلا کھیل انگریزوں کی دیگر خرافات کی طرح انہی کے در سے نکلا ہے اور آج وہ اسے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کر کے ساری دنیا کو نچوڑ رہے ہیں۔

کرکٹ کے بارے بعض اقوام کی رائے

بہر حال یہ کھیل انگلینڈ سے آگے بڑھا اور جلد ہی پورے یورپ میں معروف ہو گیا، اس کے اس

قدر پھیلنے کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ پورا یورپ اس کا طبعی طور پر محتاج تھا، جنگ عظیم دوم سے قبل جرمنی کی ٹیم پوری دنیا میں عروج پر سمجھی جاتی تھی، ایک دفعہ جرمنی اور فرانس کے درمیان ٹیسٹ میچ تھا، میچ دیکھنے کیلئے ہٹلر کو مہمان خصوصی کے طور پر بلایا گیا، ہٹلر نے دن کے اختتام پر ٹیم منیجر سے پوچھا کہ کس کی جیت ہوئی؟ ٹیم منیجر نے کہا..... کہ ہار جیت کا فیصلہ چار دن بعد ہوگا۔ ہٹلر نے یہ سنا..... تو اس کا رنگ غصے سے سرخ ہو گیا..... اس نے دھاڑ کر ٹیم منیجر کو ڈانٹا..... کہ یہ کیا واہیات کھیل ہے؟ جسے دیکھنے کیلئے اتنی مخلوق سارا دن بے کار بیٹھی رہے اور آخر میں ہار جیت کا فیصلہ تک نہ ہو..... میری مملکت میں ایسی خرافات کی قطعاً گنجائش نہیں..... فی الفور ان بکواسات کو ختم کر دو..... یوں کرکٹ پر جرمنی کے دروازے ہمیشہ کیلئے بند کر دیے گئے اور جرمنی سے کرکٹ کا جنازہ نکل گیا اور آج تک وہ اس شر سے محفوظ ہے۔

اس کے بعد امریکی صدر ''روز ویلٹ'' نے بھی اسے ضیاع وقت کا سبب قرار دے کر اسے پابندی کا طوق پہنا دیا۔ ''روز ویلٹ'' کا کہنا تھا کہ اگر امریکیوں نے ترقی کرنی ہے تو انہیں کرکٹ جیسے وقت لیوا کھیلوں سے احتراز کرنا ہوگا۔

آج بھی دنیا کی ترقی یافتہ شمار ہونے والی وہ قومیں جن کا مشن اقوام عالم پر اپنی دھاک اور حکومت کا سکہ بٹھانا ہے، اس زہریلے کھیل سے محفوظ ہیں، انہوں نے اپنی عوام کو ایسے کھیلوں میں لگایا ہوا ہے جو جرأت و بسالت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ عملی طور پر کچھ کر گزرنے کا سبق دیتے ہیں، چین، جاپان اور اسرائیل کی مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔

ہندوستان میں کرکٹ کی آمد

کرکٹ اور دیگر یورپی کھیل ہندوستان میں انگریزوں کی وساطت سے داخل ہوئے، کرکٹ چونکہ ایک مہنگا کھیل ہے، اس لئے اس کا دائرہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں اور بڑے بڑے رؤسا تک محدود رہا اور بیٹ، گیند، وردی اور دیگر لوازمات نے اسے عوام کی دسترس سے باہر رکھا، ہندوستان کی تقسیم کے بعد تک کرکٹ یہاں کوئی خاطر خواہ جگہ نہ بنا سکا، کیونکہ ہندوستان کی آب و ہوا گرم ہے اور کرکٹ ایک ایسا کھیل ہے جسے شدید گرمی میں بالکل نہیں کھیلا جا سکتا، لیکن جب انگریزوں نے

ہندوستان میں بڑے بڑے اسٹیڈیم تعمیر کروائے اور بین الاقوامی سطح پر کرکٹ کے ٹورنامنٹ ہونے لگے تو پاکستان اور بھارت میں بھی ملکی سطح پر کرکٹ ٹیمیں بن گئیں، اب سخت سردیوں اور بہار و خزاں کے موسموں میں یہ علاقے کھیل کیلئے استعمال ہوتے تھے اور شدید گرمیوں میں بیرون ملک کھیل کا انعقاد ہوتا تھا، غرض کرکٹ کے بین الاقوامی سیٹ اپ نے اس کے راستے میں کئی ساری مشکلات کو یکسر دور کر دیا.....

کرکٹ کے نقصانات

کرکٹ ایک ایسا کھیل ہے جسے ملٹی نیشنل کمپنیوں نے اپنے مقاصد کیلئے خوب استعمال کیا، ملٹی نیشنل کمپنیاں دنیا کے نامور کھلاڑیوں سے تصاویر حاصل کرتی ہیں اور اپنی مصنوعات کے اشتہارات میں شامل کر کے کرکٹ کے دیوانوں سے رقم بٹورتی ہیں، اس طرح ٹی وی اور الیکٹرانک میڈیا کے دیگر ذرائع پر اپنی مصنوعات کے اشتہار دیتے وقت کھلاڑیوں سے ان مصنوعات کے بارے میں چند تعریفی جملے حاصل کر لئے جاتے ہیں جو ان مصنوعات کی تشہیر کا بہت اعلیٰ وارفع ذریعہ بن جاتے ہیں۔

ملٹی نیشنل کمپنیاں کھلاڑیوں کو کھیلنے کا سامان بھی مہیا کرتی ہیں، مثلاً آپ نے بہت سے کھلاڑیوں کے پاس ایسے بلّے، وردیاں اور ٹوپیاں دیکھی ہوں گی جن پر کسی ملٹی نیشنل کمپنی کا مونوگرام چسپاں ہوتا ہے، اسکا مقصد بھی بڑے پیمانے پر مصنوعات کی تشہیر اور رقم بٹورنا ہوتا ہے، کیونکہ کرکٹ کو براہ راست اور بالواسطہ دیکھنے والے لاتعداد ہوتے ہیں، جب وہ انہی کمپنیوں کو چھایا ہوا دیکھتے ہیں اور اپنے آئیڈیل حضرات کے ملبوسات پر ان مصنوعات اور کمپنیوں کے مونوگرام چسپاں دیکھتے ہیں تو وہ بھی ان مصنوعات کے خریدار بنتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس جال میں فخریہ طور پر پھنساتے ہیں، یاد رہے کہ کرکٹ پوری دنیا میں ٹی وی چینلز پر دکھایا جاتا ہے، خصوصاً ورلڈ کپ اور دیگر اہم ٹورنامنٹ تو بطور خاص اہتمام سے دکھائے جاتے ہیں۔

کرکٹ کا دوسرا بڑا نقصان جوا اور سٹہ بازی ہے، پہلے پہل لوگ میچوں پر چھوٹی موٹی شرطیں لگایا کرتے تھے، جب ان شرطوں کا رواج بالائی حلقوں تک پہنچا، تو وہ لوگ لاکھوں اور کروڑوں کی شرطیں لگانے لگے، رفتہ رفتہ انہوں نے کھلاڑیوں سے رابطے شروع کر دیے اور بعید نہیں کہ یہ رابطے ملٹی نیشنل

کمپنیوں کے ذریعے ہی کسی مخصوص معاوضے پر ہوتے ہوں، یہ لوگ کھلاڑیوں سے مخصوص رقم طے کر کے انہیں کہتے کہ فلاں کھلاڑی کا کیچ چھوڑ دینا ہے.....فلاں کو تیز گیندیں نہیں کرانی.....یا جلدی آؤٹ ہو جانا ہے، وغیرہ وغیرہ.....نامور اور ٹیم میں ریڑھ کی ہڈی شمار ہونے والے کھلاڑی مخصوص رقم کے عوض یہ سب کچھ کر گزرتے، میچ فکس ہو جاتا.....اور ٹیم کی فتح شکست میں تبدیل ہو جاتی.....میچ فکسنگ کے الزامات اکثر ٹورنامنٹس میں لگتے ہیں، کئی معروف کھلاڑی ان الزامات کی زد میں آئے ہیں اور ان پر باقاعدہ کیسز ثابت بھی ہوئے ہیں، لیکن کرکٹ تو جوئے اور قمار کا وہ منافع بخش کاروبار بن چکا ہے کہ اس وقت بھی اس کے اندر یہ گھناؤنے افعال جاری ہیں اور کتنے ہی گھر ہیں جو ان جوئے کی شرطوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہو چکے ہیں .....لوگ اس میں اس درجہ غلو کرتے ہیں کہ اپنے کاروبار ..... گاڑیاں.....بینک بیلنس.....دکانیں.....گھر، حتیٰ کہ گھر کا ساز و سامان تک داؤ پر لگا لیتے ہیں، یوں یہ کھیل اب کھیل نہیں رہا.....بلکہ تباہی و بربادی کا اندھیرا کنواں بن چکا ہے.....جس میں گرنے کے بعد سلامت نکلنا محال نظر آتا ہے۔

بہر حال بات چل رہی تھی میچ فکسنگ کی.....تو کہا جاتا ہے، کہ کھلاڑیوں اور میچوں کو فکس کرنے والا جوا بازوں کا یہ گروہ سب سے پہلے بمبئی میں اٹھا تھا.....ان سٹہ بازوں کو ''بکی'' بھی کہا جاتا ہے اور آج کل تو پوری دنیا میں یہ کاروبار عروج پر ہے، ورلڈ کپ کے دوران ہر میچ پر لاکھوں، کروڑوں کا جوا کھیلا جاتا ہے، ایک اخباری رپورٹ کے مطابق ورلڈ کپ 2007ء میں کراچی کے اندر پاکستان اور آئرلینڈ کے میچ پر ساٹھ کروڑ کا جوا کھیلا گیا.....اور یہی حال ہر میچ پر جوا کھیلنے کا ہے، اندازہ لگائیں یہ تو ایک شہر کا تذکرہ ہے.....اس وقت پوری دنیا کی کیا حالت ہوگی.....اور کتنے لوگ کروڑوں اور اربوں روپے اس آگ میں پھونک رہے ہوں گے.....کرکٹ کے ان نقصانات کا گراف تو اب یہاں تک پہنچ چکا ہے .....کہ اس پر پوری دنیا میں پابندی لگانا ضروری و لازمی ہے.....لیکن حقیقت یہی ہے.....کہ اس کھیل کے پیچھے خود یہودیوں اور عیسائیوں کا ہاتھ ہے، وہ چاہتے ہیں کہ اس کھیل کے ذریعے زیادہ سے زیادہ اقوام عالم اور خصوصاً مسلمانوں کے اندر اپنے مقاصد کی تکمیل کریں گویا کرکٹ ان کے مذموم مقاصد کی تکمیل کا ایک بہت بڑا ذریعہ اور ایک انتہائی اہم ہتھیار ہے.....لہٰذا اسے بین الاقوامی سطح پر ''بین''

کرنے کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے، مزید یہ کہ ''بکیوں'' کے یہ گروہ ممالک کے اعلیٰ وزیروں سے براہ راست ''رابطے'' میں ہوتے ہیں اور بہت سے کام سرکاری لوگوں کی نگرانی میں انجام پاتے ہیں۔

کرکٹ نے دیکھنے والوں پر بھی گہرا منفی اثر مرتب کیا ہے، چھوٹے بچے کرکٹ دیکھنے کے شوق میں سارا سارا دن ٹی وی کے سامنے بیٹھے رہتے ہیں، ان کی یہ روش انہیں بے کار بنانے اور تعلیمی و اصلاحی ماحول سے کاٹنے کیلئے کافی ہوتی ہے، ایک طرح ان کی صلاحیتیں ٹی وی کے سامنے بیٹھ بیٹھ کر خاک ہو رہی ہوتی ہیں تو دوسری طرف میچ کے دوران ٹی وی پر دکھائے جانے والے مخرب اخلاق مناظر ان کی ذہنی و اخلاقی سطح کو تباہ و برباد کر رہے ہوتے ہیں، ایسے بچے بڑے ہو کر جہاں تعلیمی اعتبار سے کسی کام کے نہیں رہتے، وہاں اخلاقی گراوٹ کا بھی شکار ہو جاتے ہیں اور فحاشی و عریانی ان کی زندگی کا جزء بن جاتی ہے۔

بعض لوگ باقاعدہ ٹکٹ خرید کر اسٹیڈیم پہنچ جاتے ہیں اور وہاں پورا پورا دن ضائع کر دیتے ہیں، ان لوگوں میں حکومتی اداروں کے اہلکار، ڈاکٹرز، اسکول ٹیچرز غرض ہر طبقے کی مخلوق پائی جاتی ہے، کرکٹ کی بدولت جہاں ان اداروں کا حرج ہوتا ہے وہاں سکولوں، ہسپتالوں اور دیگر اداروں میں اٹکی ہوئی بے چاری عوام بھی مسائل و مشکلات کا شکار ہوتی ہے، بڑے بڑے سنجیدہ لوگ بھی اسی حصار میں جکڑے نظر آتے ہیں۔

الغرض پورا پاکستان کرکٹ کے دوران مفلوج دکھائی دے رہا ہوتا ہے، کاش! اہل فکر و نظر تہذیب انگریز کا دیا ہوا یہ توشہ پھینک دیں، تو شاید ملک و قوم اور خصوصاً ہماری نوجوان نسل کی ڈوبتی ناؤ ساحل بکنار ہو سکے اور وطن عزیز کا جو بے پایاں سرمایہ اس بے ثمرہ کھیل پر صرف ہو رہا ہے وہ ملک کے بھوکے اور غریب و نادار افراد کے کام آ سکے۔

کرکٹ شرعی نقطہ نظر سے

استاد محترم فقیہ العصر مفتی محمود اشرف عثمانی مدظلہم اپنی کتاب ''کھیل کود اور تفریح کی شرعی حیثیت'' میں اس قسم کے کھیلوں کا شرعی جائزہ لیتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

ا۔ ان کھیلوں کو بذاتِ خود مقصود سمجھا جانے لگا ہے کھیل، اگر کھیل کے بجائے مقصد بن جائے تو وہ

شرعاً اور عقلاً معیوب اور ناپسندیدہ ہے۔

ب۔ ان کھیلوں میں کھلاڑیوں اور ان کھیلوں سے دلچسپی رکھنے والوں کا انہماک بہت زیادہ ہونے لگا ہے، حتیٰ کہ ضروری کاموں پر اس کو ترجیح دی جاتی ہے، جس سے بسا اوقات بندوں کے حقوق پامال ہوتے ہیں۔

ج۔ ان کھیلوں کے کھیلنے میں بالعموم فرض نمازوں کے اوقات، جمعہ کے مبارک دن اور رمضان المبارک کے فرض روزوں کے ایام کا خیال نہیں رکھا جاتا جبکہ یہ ایک مسلمان کیلئے فرض عین ہیں۔

د۔ یہ کھیل بالعموم اس قدر مہنگے ہیں کہ امراء اور ان کے بچے ہی صحیح طور پر ان سے استفادہ کر سکتے ہیں، غریب بچے حسرت سے دیکھتے ہیں اور متوسط الحال بچے بمشکل ان کھیلوں کے اخراجات برداشت کرتے ہیں، جس سے اسراف اور تبذیر تک نوبت پہنچتی ہے۔

ہ۔ بالعموم ان کھیلوں میں بہت وقت ضائع ہوتا ہے، بلکہ اب ان میں قوم کے وقت کا جتنا ضیاع ہونے لگا ہے وہ قوم کے صاحب فکر حضرات کیلئے قابل توجہ ہے۔

و۔ ان کھیلوں میں حصہ لینے والے کھلاڑیوں کو جس طرح قومی اور ملی ہیرو بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور نئی نسل کے بچے اب مجاہدین، علماء، سائنسدان اور قومی و ملی خدمات انجام دینے والوں کو اپنا آئیڈیل بنانے کے بجائے جس طرح ان کھلاڑیوں کو اپنا آئیڈل سمجھتے ہیں وہ بھی قوم کے سنجیدہ اور سمجھدار حضرات کیلئے بہت زیادہ قابل تنبیہ اور تشویشناک ہے۔

ز۔ اکثر کھیلوں میں ''ستر'' کا اہتمام نہیں کیا جاتا، یعنی جسم کے ان حصوں کو ڈھانپنے پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی، جن کا ڈھانپنا شرعاً ضروری ہے، مثلاً مرد کیلئے ایسے نیکر پہننا جائز نہیں جس میں ناف سے لیکر گھٹنے تک کا حصہ کھلتا ہو، جبکہ عورت کا تو پورا جسم ''ستر'' ہے۔

ح۔ اکثر کھیلوں میں مرد و زن کا مخلوط اجتماع ہوتا ہے اور چونکہ یہ مرد و زن محض تفریح اور کھیل برائے کھیل کی نیت سے جمع ہوتے ہیں، اس لئے ہوٹنگ، بھنگڑا، ڈانس موسیقی اور دیگر نازیبا اور ناشائستہ امور کھلے عام ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب ایسے اجتماعات میں کسی شریف آدمی کا جانا اپنی بے عزتی کو دعوت دینا ہے۔

ط۔ان کھیلوں میں (جو محض تفریح طبع کیلئے ہونے چاہئیں) اب ایسی محاذ آرائی اور ذہنی تناؤ ہونے لگا ہے کہ جس سے ان کھیلوں کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے، اب کھیلوں کے میدان کو محاذ جنگ سمجھا جاتا ہے، اسکی ہار جیت کو قومی شکست اور قومی فتح سے تعبیر کیا جاتا ہے، اسکے میچوں کیلئے اس طرح دعائیں مانگی اور نذریں قبول کی جاتی ہیں، جیسے بیت المقدس کی آزادی یا جہادِ کشمیر کا معاملہ سر پر آن پڑا ہو۔

سربراہانِ مملکت اس سلسلہ میں تہنیتی اور تعزیتی پیغامات جاری کرتے ہیں. "فیا للعجب" اور اب تو یہ خبریں بھی عام ہونے لگی ہیں کہ فلاں میچ کا دیکھنا بلڈ پریشر اور دل کے مریضوں کیلئے نامناسب ہے اور یہ کہ فلاں میچ میں اتنے سامعین و ناظرین دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے۔

اب ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے کہ وہ کھیل جن کا مقصد محض تفریح طبع ہونا چاہئے تھا وہ حدودِ شرعی کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے کہاں تک پہنچ گئے ہیں۔(فھل من مدکر!)

ی۔ان کھیلوں میں بعض اوقات جوا کھیلا جاتا ہے، شرطیں باندھی جاتی ہیں اور لاکھوں بلکہ کروڑوں روپے کی رقوم ان میں ہاری جیتی جاتی ہیں۔ بڑے جوئے بازوں کے علاوہ چھوٹی سطح پر محلّہ اور گھروں میں ناظرین اور سامعین دیکھتے اور سنتے ہیں اور آپس میں شرطیں لگاتے ہیں اور بلاوجہ ناسمجھی میں قمار یعنی جوئے کے مرتکب ہو جاتے ہیں، جو شرعاً گناہ کبیرہ ہے اور قرآن حکیم کی کئی آیات میں اس سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔(کھیل کود اور تفریح کے شرعی حدود، ص:۵۴تا۵۶)

علماء نے کھیل کود کے بارے میں تین شرائط ذکر کی ہیں۔

۱۔وہ کھیل جس سے دینی یا دنیوی کوئی معتد بہ فائدہ مقصود ہو تو وہ جائز ہے، اگر دنیا اور دین کا کوئی قابل اعتبار فائدہ نہ ہو تو وہ کھیل ناجائز ہے۔

۲۔جس کھیل سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ تو حاصل ہو لیکن اس میں کوئی خلافِ شرع چیز مل جائے تو وہ ناجائز ہوگا۔مثلاً تیراندازی یا گھڑسواری میں مال کی شرط لگا دینا۔

۳۔جس کھیل میں کفار کے ساتھ مشابہت ہو یعنی کفار کی نقالی ہو وہ بھی ناجائز ہے مثلاً کھیل کے لباس، طرزِ وضع وغیرہ میں اغیار کی پیروی کرنا۔

ان شرائط کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس وقت اکثر کھیل خصوصاً کرکٹ جواز کے دائرے سے

کہیں دور نکل جاتا ہے، کیونکہ کرکٹ میں اکثر وہ خرابیاں داخل ہو چکی ہیں، جو جوا سے مانع ہیں۔

عصر حاضر میں کھیلے جانے والے اکثر کھیل مغرب سے درآمدہ ہیں، لیکن کرکٹ کو تفصیلی طور پر اس لئے اٹھایا گیا ہے کہ یہ کھیل اس وقت اہل مغرب کیلئے ہتھیار کا کام دے رہا ہے اور وہ اس کے ذریعے ہمارے معاشرے میں مغربی تہذیب و تمدن کے زہریلے اثرات منتقل کر رہے ہیں۔

ضرورت ہے کہ اہل نظر و فکر مضمون میں ذکر کئے گئے منفی پہلوؤں کا سنجیدگی سے جائزہ لیں اور ان کے تدارک کیلئے راست قدم اٹھانے کی منصوبہ بندی کریں۔

☆☆☆

فصل دہم

اسلامی تہذیب اغیار کے نشانے پر

یہ تو اغیار کے چند تہواروں کا تذکرہ تھا، اسکے علاوہ بھی ہماری تہذیب وتمدن اور ہماری ثقافت کو یہود و ہنود نے اپنے نشانے پر لیا ہوا ہے، ان کی ہر دور میں یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان نوجوانوں کے دلوں سے اسلامی تہذیب و ثقافت کا عنصر مکمل نکال دیا جائے اور انہیں اپنے ماضی سے کاٹ دیا جائے، جب اسلامی تہذیب کے عناصر زندگی سے ختم ہو جائیں تو پھر یورپی اور مغربی تہذیب کو قبول کرنا انتہائی آسان ہے، بلکہ ہمیشہ کیلئے اس کے رنگ میں رنگنا کوئی مشکل مسئلہ نہیں۔

فحاشی کے ہتھیار

اسی کوشش کے تحت اہل مغرب نے ہمارے معاشرے میں آلات لہو ولعب کو بہت عام کر دیا ہے، کسی دور میں فحاشی وعریانی کو رواج دینے کیلئے سینما اور ٹی وی کا استعمال ہوا کرتا تھا، پھر ان پر بھی کھلے عام عریانی کے مناظر دکھانا اور فحاشی کی طرف ذہن سازی کرنا خاصا مشکل تھا، لیکن اب تو اس ذہنی آلودگی میں مبتلا کرنے کیلئے موبائل دستیاب ہیں، کیبل ڈش اور انٹرنیٹ کی غلاظت نے یہ ساری ضرورتیں پوری کر دی ہیں، ایک موبائل جیب میں رکھ لوگ سفر وحضر میں ہر جگہ کئی کئی گھنٹے فلمیں دیکھ سکتے ہیں اور یہ ذرائع اب اتنے سستے ہیں کہ دال سبزی جسے میسر نہ ہو وہ بھی بآسانی ان سے محظوظ ہو سکتا ہے۔ مغرب کی یہ کوشش اسکے مقاصد کو پورا کر رہی ہے اور مسلمان نوجوان ان فحاشی کے آلات کے سبب مادر پدر آزاد ماحول کے دلدادہ ہوتے جا رہے ہیں۔ انہی آلات پر ریلیز ہونے والا زہریلا مواد ہمارے نوجوانوں کو اپنی تہذیب سے بہت دور لے گیا ہے۔

لباس کا حشر

کسی دور میں ننگے سر گھومنا پھرنا عیب سمجھا جاتا تھا اور اسے نچلی ذات کے ہندوؤں کا شعار بتایا جاتا

تھا، لیکن اب سر کیا بدن ننگے ہو گئے ہیں، مردوں کے کیا عورتوں کے سروں سے دوپٹے اتر گئے ہیں، بلکہ جسموں سے لباس آدھا ہو گیا ہے۔ نوجوان نسل مخلوط تعلیم کی دلدادہ ہو گئی ہے، جس سے مرد اور عورت کا اختلاط اور اس کے ناخوشگوار نتائج سامنے آ گئے ہیں، عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ دوچیتھڑوں میں ننگ دھڑنگ کھیل کے ہر میدان میں دوڑتی نظر آتی ہیں، وہ بھی ایک وقت تھا کہ لوگ میراثیوں اور ناچنے والوں کو حقارت سے دیکھا کرتے تھے، لیکن آج ناچ گانے والے ملک کے مہذب افراد کہلاتے ہیں، نوجوان نسل انہیں اپنا آئیڈیل رکھتی ہے اور ان کی تصویریں جیبوں میں لے کر گھومتی ہے۔

وہ بھی ایک وقت تھا کہ ہمارے معاشرے میں تنگ و چست لباس باعث عار ہوا کرتا تھا، لیکن اب تو گلیوں کوچوں میں لڑکیاں لڑکے جینز پہنے نظر آتے ہیں، اس لباس کو باعث فخر سمجھا جاتا ہے، تعلیم یافتہ اور پڑھا لکھا ہونے کا معیار بتلایا جاتا ہے، اور اسکی مخالفت کو دقیانوسی سے تعبیر کیا جاتا ہے، کبھی مقاصد کی طرف توجہ اور سنجیدگی باعث وقار ہوا کرتی تھی، لیکن اب تو مقاصد پر نظر رکھنا درکنار لوگ سال ہا سال تعلیمی اداروں کی خاک چھاننے کے باوجود ملک و قوم کے مفاد کیلئے کوئی منزل تک متعین نہیں کر سکتے، بس کھیلوں کا طوفان ہے، جو نوجوان نسل کے اوقات کو بہائے لے جا رہا ہے اور ارباب حل و عقد ان مناظر پر تماش بین کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

اتوار کی چھٹی

مغربی تہذیب کی آگ نے ہمارے ایام کو بھی متاثر کر دیا ہے، کبھی مسلمان قوم جمعہ کی چھٹی اپنی تہذیب و ثقافت کا حصہ سمجھتے تھے، لیکن اب اتوار کی تعطیل اور اہل کتاب کی مشابہت پر فخر کیا جاتا ہے۔ یہودی قوم ہفتہ اور عیسائی اتوار کو اپنا مقدس دن سمجھتے ہیں۔ شرعی دلائل اور تاریخی شواہد اسی پر قائم ہیں کہ یہ دو دن یہود و نصاریٰ کا مذہبی شعار ہیں، مسلمان ان ایام کو نہیں منا سکتے، لیکن اپنی تہذیب کا ایسا جنازہ نکالا کہ یہ سب کچھ یاد ہی نہ رہا۔

ہماری قومی زبان کا حشر

ہماری زبان تو اتنی متاثر ہوئی ہے کہ بیان کرنے سے باہر ہے، ہمیں اس پر فخر تھا کہ عربی ہماری

بین الاقوامی اور اردو ہماری قومی زبان ہے، ہم آج بھی اسی دعویٰ پر قائم ہیں، دنیاوی حقائق جو بھی کہیں، دانشور جو بھی دلائل لائیں، بہرحال عربی بین الاقوامی زبان کی صلاحیت رکھتی ہے، یہی زبان عالمگیریت کی حامل ہے، اسکا مقابلہ کسی اور زبان کے ذریعے سے نہیں کیا جاسکتا، ہماری ایک دلیل ہی کافی ہے کہ اگر عربی عالمگیریت کی صلاحیت نہ رکھتی تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کی زبان کبھی نہ قرار دیتا، جہاں تمام اقوام و ممالک کے لوگ ہوں گے اور یہ سب کی زبان ہوگی، اسی طرح قرآن اس زبان میں کبھی نازل نہ ہوتا جو تمام دنیا کے لوگوں کیلئے ہے اور سب کو مخاطب کرتا ہے۔ نبی عربی نہ بھیجتا، جس کی تعلیمات سارے عالم کیلئے ہیں اور اس کے بعد کوئی نبی نہیں، لیکن مغربی تہذیب و ثقافت نے ہماری بین الاقوامی اور قومی دونوں زبانوں کو متاثر کرنا شروع کر دیا ہے، آج انگریزی کا تسلط ہو رہا ہے، انگریز اس کوشش میں ہے کہ انگریزی کو عالمیت مل جائے اور وہ یوں ممکن ہے کہ یا تو انگریزی اتنی عام ہو جائے تو دنیا کی ساری زبانیں اپنا وجود کھو بیٹھیں، لیکن یہ تو ممکن نہیں یا پھر اتنا ہو جائے کہ انگریزی تمام زبانوں میں شامل ہو جائے اور ان کا اصلی حلیہ اور تشخص بگاڑ دے۔ آج ذرا اردو کو اٹھا کر دیکھ لیں کیا حشر ہو چکا ہے اسکا..... ایک پاکستانی دو جملے اردو میں ادا کرتا تھا تو ساتھ تین جملے انگلش کے بول دیتا ہے، ایک اردو دان لکھنے یہ آتا ہے تو اپنی تحریر کو انگریزی کے الفاظ سے پاک نہیں رکھ سکتا، ہم خود بھی اسکا شکار ہو چلے ہیں کیونکہ جب ہواؤں کا رخ پلٹتا ہے تو درختوں سے پیوستہ ہر پتہ مخالف سمت ہلنا شروع کر دیتا ہے، ایسی مخالف ہواؤں کے لئے تو چٹان بننا پڑتا ہے، تب جا کے کہیں کامیابی کی کرن نظر آتی ہے، آج اردو کا جو حشر ہو رہا ہے لگتا یوں ہے کہ آئندہ چند سالوں میں یہ زبان بالکلیہ اپنا تشخص کھو بیٹھے گی اور ہماری آئندہ نسلیں یہ پہچان کرنے سے قاصر ہونگی کہ اردو کی اصلیت کیا ہے۔

میں نے آج بھی کئی بڑے بڑے تعلیم یافتہ حضرات کو دیکھا ہے جو ایک اردو ادبی پیرائے کا صحیح مفہوم بتانے سے عاجز دکھائی دیتے ہیں، حالانکہ ان کا دامن تعلیمی اسناد سے بھرا ہوتا ہے، وجہ یہ ہے کہ تعلیمی اداروں سمیت ہر مقام سے اصلی اردو اٹھ رہی ہے۔ یہی حال عربی کا ہے، عربی اتنی وسیع لغت رکھتی ہے کہ اس کے حروف ہجاء میں سے کوئی بھی تین حرف آپس میں ملا لیں، ضرور کوئی بامعنیٰ ''مادہ'' بن جائیگا اور ایسے نہیں ہوگا کہ اسکا مفہوم عربی لغت میں نہ ملے، لیکن آج اس میں بھی عجمی لغات خصوصاً

انگریزی الفاظ کی بھرمار ہے، زبان قوم کی پہچان اور ماضی سے جڑے رہنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔

یاد رکھیں! جو قومیں زبان بھول جاتی ہیں وہ اپنا سب کچھ گنوا بیٹھتی ہیں، زبانوں کی بدولت ماضی کا ورثہ محفوظ رکھا جا سکتا ہے، اگر زبان کو شکار کر لیا جائے تو انسان ماضی سے کٹ جاتا ہے اور یہ متعین ہے کہ اپنے ماضی اور تاریخ سے کٹنے والی قومیں ہمیشہ برباد ہوتی ہیں۔ ہونا یہ تو چاہیے کہ ہمارے تعلیمی اداروں اور دفتروں کی زبان اردو ہو، کیونکہ یہی ہماری قومی زبان ہے، اسکی صحیح تعلیم دلائی جائے، آج اردو کی گنتی بڑے بڑے لوگوں کو نہیں آتی، اردو ہندسے لکھنا تو بڑوں بڑوں کے بس سے باہر ہوتا ہے۔ ہاں! انگریزی ہندسے بچہ بچہ بلکہ ان پڑھ تک بھی لکھ لیتے ہیں اور انگریزی گنتی بھی کر لیتے ہیں، جب تعلیمی اداروں میں اردو کی بنیادیں مضبوط ہونگی تو اس کا اثر باہر بھی پڑے گا اور یہ اردو کے تحفظ کا بھی ٹھوس ذریعہ ثابت ہوگا۔

آج اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اہل مغرب کے ایام، لباس اور زبان کو ترک کر دیں، ہماری تہذیب و ثقافت پر اثر انداز ہونے والے ان کے تمام مغربی ہتھیاروں کو توڑ دیں جو وہ ہمارے ہی ہاتھوں میں دے کر ہم پر استعمال کر رہے ہیں، اگر ہم نے آج اپنا اسلامی تشخص نہ پہچانا تو ہم ذلتوں، پستیوں اور غلامیوں کے اس جاں گسل دلدل میں غرق ہو جائیں گے جہاں ہمارا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہماری حالت پہ رحم فرمائے اور ہمیں تقلید مغرب کے عفریت سے نجات بخشے۔

(آمین)

☆☆☆